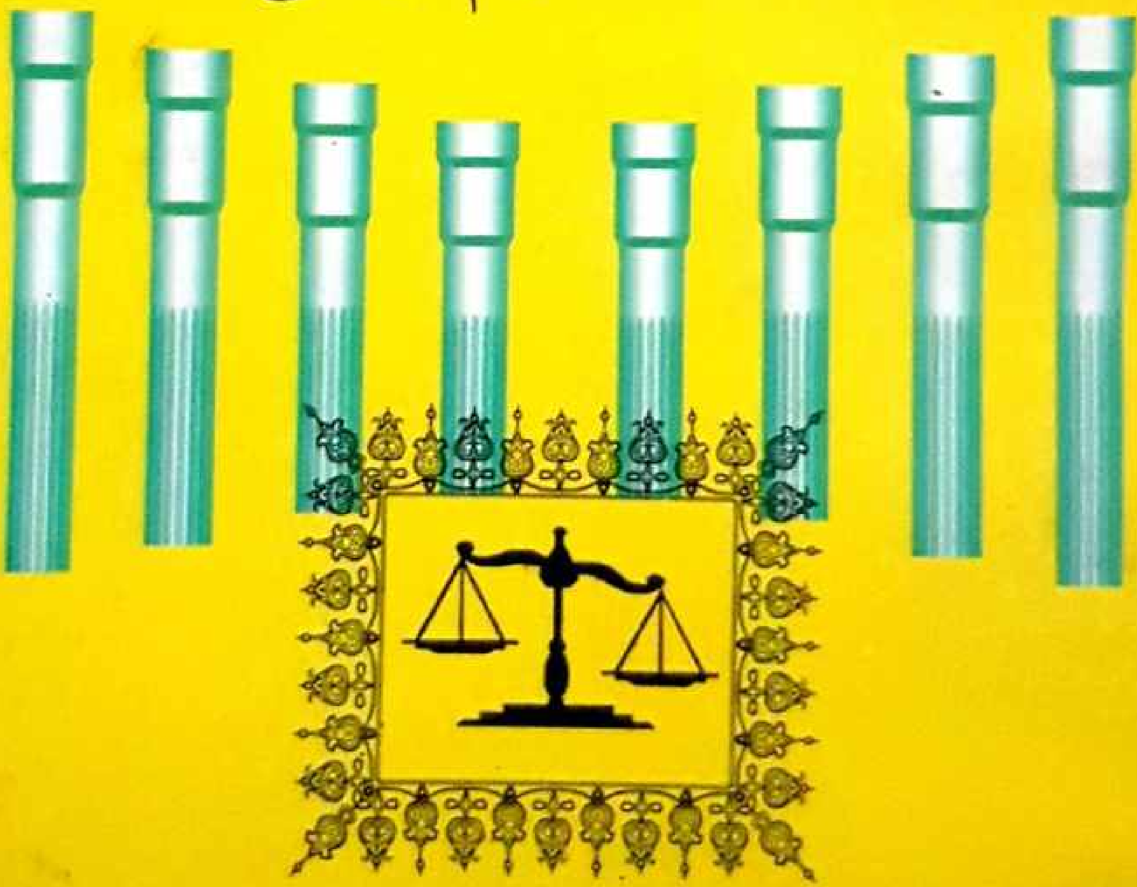
پیرزادہ

محدثین کی عدالت میں

﴿ کیا ہر حدیث حدیث رسول ہے نامی کتابچے کا جائزہ ﴾

تالیف

محمد مقیم فیضی



ناشر: دار الآثار السلفیة - ممبئی

نام کتاب .... پیرزادہ محدثین کی عدالت میں

.... حجیت حدیث اور کیا ہر حدیث حدیث رسول ہے نامی کتابچے کا جائزہ

نام مولف .... محمد مقیم حامد علی فیضی

قیمت ....

ناشر............................دار الآثار السلفیة

کتابت............................ دار الآثار السلفیة

سن طباعت............................۱۹۹۹ء

تعداد............................ ۱۰۰۰

پتہ: سلفی گلی نمبر ۳ گاندھی نگر چار کوپ کاندیولی ویسٹ ممبئی ۶۷

ٹ - ۸۶۴۱۸۴۰

فہرس

	صفحہ نمبر

عناوین	فہرست	صفحہ نمبر

فہرست

صفحہ نمبر

فہرس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إن الحمد لله نحمده ونستعينه ونستهديه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا من يهده فلا مضل له ومن يضلل فلا هادى له و أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا عبده ورسوله .

أما بعد :

یوں تو علم و فضل کی دنیا میں بتکلف اور ناجائز طور پر داخل ہونے والوں کا سلسلہ زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے ؛ مگر ہمارے اس دور میں اللہ تعالی کی قدرت سے مدعیان علم و فضل کی اس قدر کثرت ہے کہ نہ کہنی ہی بھلی . برساتی مینڈکوں کی طرح ہر گلی کوچے سے ٹراتے ہوئے نکل پڑتے ہیں اور اپنی ٹرٹر سے پر سکون فضا میں ارتعاش پیدا کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں . آئے دن تحقیق وریسرچ کے ایسے ایسے نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں کہ حیرت واستعجاب بھی اپنا سر پیٹ پیٹ کر رہ جاتے ہوں گے . سڑکوں پر دوا فروشی کرنے والوں کی طرح ان کے پاس ہر مرض کی دوا ہوتی ہے . بلند بانگ دعوے اور بھاری بھر کم القاب اور جب آزمائش کی کسوٹی پر رکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ پڑھے نہ لکھے نام محمد فاضل !

حسن بصری رحمہ اللہ نے اپنے زمانے میں ایسے لوگوں سے تنگ آکر اللہ تعالی شکوہ سے فرمایا تھا :

" اللهم نشكو إليك هذا الغثاء "

اے اللہ تیری جناب میں ہم ان جھاگوں کا شکوہ کرتے ہیں

تلخ تجربات سے گزرنے کے بعد علامہ بن حزم اندلسی رحمہ اللہ بھی خاموش نہ رہ سکے اور فرمایا :

" لا آفة على العلوم وأهلها ،أضر من الدخلاء فيها ، وهم من غير أهلها ؛ فإنهم يجهلون ويظنون أنهم يعلمون ، و يفسدون ويقدرون أنهم يصلحون ".

علم اور اہل علم کی سب سے بڑی آفت ان کی دنیا میں اجنبی عناصر کے زبردستی داخل ہو جانے کے سبب

سے ہے. یہ لوگ جاہل ہونے کے باوجود اپنے آپ کو عالم سمجھتے ہیں، اور فساد برپا کر کے یہ جانتے ہیں کہ اصلاح کر رہے ہیں .انتہی .

ہاں سفہاء کی یہ جماعت اپنے آپ کو فقہاء باور کرانا چاہتی ہے. اور بسیار گوئی اور لفظوں کی دکان سجانے کو علم گمان کرتی ہے. اور ہمارے زمانے کا ماحول بھی کچھ ایسا ہو گیا ہے کہ جسے بھی بولنے کا ڈھنگ آگیا یا قلم پکڑنے کا سلیقہ ہو گیا وہ علم و فضل کی دنیا کا بے تاج بادشاہ تسلیم کر لیا جاتا ہے اور عوام الناس کی ایک بھیڑ اس کے پیچھے لگ جاتی ہے اور اگر عوام کا دل جیتنے میں اسے کامیابی ہو جاتی ہے تو پھر کیا پوچھنا وارے نیارے ہو جاتے ہیں. حالانکہ علم و فضل کے نام پر اس کے پاس کچھ رسمی چیزیں اور لفاظی کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور اس قماش کے لوگوں کا کلام ہر طرح کی برکت سے خالی اور ڈھول کا پول ہوتا ہے. جیسا کہ ابن القیم رحمہ اللہ نے فرمایا :

" كلام المتقدمين قليل كثير البركة ، و كلام المتأخرين كثير قليل البركة "

متقدمین کا کلام تو مختصر ہوتا ہے مگر اس میں برکت بہت ہوتی ہے جبکہ متاخرین کا کلام بہت ہوتا ہے مگر برکت تھوڑی ہوتی ہے .انتہی .

اس لئے کہ ان کے یہاں یہ اصول کار فرما ہوتا تھا کہ پہلے تولو پھر بولو اور ہمارے یہاں اصول یہ بن گیا ہے کہ جو جی میں آئے بولو اور کبھی نہ تولو . ان کے یہاں اساس تقوی اور ان کا مرجع کتاب و سنت اور صحابہ کا مجموعی طرز عمل ہوتا تھا جبکہ ہمارے یہاں اساس ہوائے نفس اور مرجع آراء الرجال اور اپنی بیمار عقل کے ہفوات ہوتے ہیں . اور اس طرح کے لوگوں کے پروان چڑھنے اور کھل کھیلنے کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ علمائے حق اور عوام کا رابطہ بہت کمزور ہو گیا ہے اور محض رسمی قسم کا رہ گیا ہے. اور یہ بہت بڑی مصیبت ہے اس پر جس قدر افسوس کا اظہار کیا جائے کم ہے.

قاضی عبد الوہاب بن نصر مالکی نے فرمایا تھا :

متى تصل العطاش إلى ارتواء   إذا استقت البحار من الركايا

ومن يثني الأصاغر عن مراد   وقد جلس الأكابر في الزوايا

و إن ترفع الوضعاء يوما		على الرفعاء من إحدى البلايا
إذا استوت الأسافل والعوالی		فقد طابت منادمة المنايا

پیاس کب بجھ سکتی ہے جب سمندر کنوؤں سے سیرابی طلب کرنے لگیں .
کمترین لوگوں کی مراد کیوں نہ بر آئے جبکہ اکابر گوشہ نشین ہوں .
کمینوں کا کسی دن شریفوں پر بلند ہونا ایک مصیبت ہے .
جب پست وبلند برابر ہو جائیں تو موت ہی اچھی ہے .

ادھر کچھ لوگ ایسے ہیں جنھوں نے عقل کا اس قدر ہوا کھڑا کر رکھا ہے کہ اس کے سامنے وحی الٰہی کی کوئی قدر قیمت ہی نہیں رہ گئی ہے اور اس قسم کے لوگ طرح طرح کے چولے بدل بدل کر دل آزاری اور سمع خراشی کا باعث ہو رہے ہیں . اور گویا محققین کی ایک پھکڑی ہے جہاں سے فوج در فوج یہ جماعت لفٹ رائٹ کرتے ہوئے منظر عام پر آ رہی ہے.

امام بن تیمیہ رحمہ اللہ نے ایک عقلانیت زدہ مکتب فکر کے بارے میں یہ ریمارک دیا تھا کہ "...... مخانیث المعتزلة " یہ معتزلہ کا مخنث گروپ ہے . (مجموع الفتاوی ۵/ ۳۳۸) .

واللہ ہمارے موجودہ زمانے کے مرعوبیت زدہ اور احساس کمتری کے شکار جنٹلمین حضرات جو اسلام کو ہر نئی فکر کے تابع کرنے کے خواہاں ہیں ان کے لئے اس سے بہتر کوئی وصف ہو ہی نہیں سکتا . اور ماضی قریب کے ایک صاحب نظر نے ان کا نام " مجددینات " رکھا ہے . اور جب ان سے پوچھا گیا کہ بھائی یہ کون سی جمع ہے (کیونکہ عربی زبان میں تو اس طرح کی جمع پائی نہیں جاتی) تو انھوں نے جواب دیا : " جمع مخنث سالم " (یعنی نہ مذکر نہ مونث بلکہ صنف ثالث کی جمع ہے) ، اس پر سوال کرنے والے نے برملا قسم کھا کر کہا کہ موجودہ زمانے میں عربی زبان کو اس طرح کی جمع کی شدید ترین حاجت ہے .

(دیکھئے مقدمہ سنن ترمذی لأحمد شاکر مصریؒ ص : ۷۲) .

یہ تو رہے ایک طرف دوسری طرف کچھ ایسے بزرگ بھی ہیں جن کے بارے میں یہ محسوس ہوتا ہے کہ

وہ واقعی اسلام کی خدمت انجام دینا چاہتے ہیں مگر اپنی بے بضاعتی اور علمی اعتبار سے تہی دامنی کے باعث جدید لباس کے قدیم پروپیگنڈوں سے اس قدر متاثر ہو جاتے ہیں کہ اپنے آپ کو فرسودگی اور پسماندگی کے طعنوں سے بچاکر روشن خیالی کا ثبوت دینے کے لئے ایسی باتیں بول جاتے ہیں یا لکھ جاتے ہیں جو ان کے لئے قطعی غیر مناسب اور ناموزوں ہوتی ہیں. یہ بیچارے تمیز کے صحیح پیمانے کے فقدان کے سبب معذور ہی ہوتے ہیں ؛ لیکن مشکل یہ ہے کہ اپنے متعلق ہمیشہ خوش فہمی ہی میں مبتلا رہتے ہیں اور اصلاح کی کوشش کم ہی کرتے ہیں.

اور نتیجے کے اعتبار سے دونوں قسم کے لوگوں کی سرگرمیاں یکساں ہیں اور ان سے جو نقصانات مرتب ہوتے ہیں ان میں چنداں فرق نہیں ہے. اس لئے دینی غیرت کا تقاضہ اور اہم ترین اسلامی فریضہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو لگام دینے کی پوری کوشش کی جائے اور اس سلسلے میں کسی قسم کی کوتاہی یا مداہنت کا مظاہرہ نہ کیا جائے. نہ ہی کسی قسم کی معذرت کے ذریعہ ایسے لوگوں کی پست پناہی یا دفاع کی کوشش کی جائے. ورنہ معاشرہ میں جو فساد برپا ہوگا اور اسلامی قدریں پامال ہوں گی اور الٰہی تعلیمات کی قدر و قیمت دلوں سے جاتی رہے گی. اس کی ذمے داری تمام مسلمانوں پر عائد ہوگی بالخصوص امت کے اصحاب بصیرت پر.

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : " جاهدوا المشركين بأموالكم وأنفسكم وألسنتكم ".

(رواه أحمد و ابو داود والنسائي والحاكم وصححه على شرط مسلم ووافقه الذهبي) .

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ جہاد صرف نفس کے ذریعہ نہیں بلکہ مال اور زبان کے ذریعہ بھی کیا جاتا ہے اور قلم بھی ایک زبان ہے. لہذا پوری قوت کے ساتھ جس طرح بھی ممکن ہو انسان کو دین کے دفاع میں سرگرم عمل رہنا چاہئے. جان ، مال ، زبان ، قلم جس طرح بھی ہو سکے کوشش کرتا رہے.

اور جو لوگ اس طرح کے جہاد میں مشغول رہتے ہیں نبی ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے انھیں عادل قرار دیا ہے. فرمایا :

"يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين ، وانتحال المبطلين ،

وتأويل الجاهلين .

(رواه الخطيب في شرف اصحاب الحديث وهو حديث صحيح كما قال احمد) .

بعد میں آنے والے لوگوں میں اس علم (یعنی علم نبوت کے) حاملین عادل لوگ ہوں گے جو غلو کرنے والوں کی تحریف اور باطل پرستوں کے تعصب اور جاہلوں کی تاویل سے اسے محفوظ رکھیں گے .

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان لوگوں کے زمرے میں داخل فرمائے - آمین .

کچھ دنوں پہلے ۳۶ صفحے کا ایک کتابچہ بنام " حجیت حدیث اور کیا ہر حدیث حدیث رسول ہے؟ " مولفہ "شمس پیرزادہ" صاحب منظر عام پر آیا. کچھ احباب نے میری توجہ اس کی جانب مبذول کرائی اور ایک صاحب سرفراز بھائی نے اس کا ایک نسخہ لاکر مجھے دیا اور اس کا جائزہ لینے کا بھی مطالبہ کیا. لہذا میں نے شروع سے آخر تک اسے پڑھا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اس کتابچے میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ کے متعلق بہت ہی فاسد عقیدہ پیش کیا گیا ہے اور اعتزالی و عقلانی فکر کی بھرپور ترجمانی کی گئی ہے اور نصوص کو محض عقلی پیمانوں پر جانچنے کی کھلی دعوت دی گئی ہے اور عقل جو نصوص کتاب و سنت کی خادم ہے اسے کتاب و سنت کا مخدوم بنادیا گیا اور کتاب و سنت کو اس کا خادم. اور مجھے یہ بات محسوس ہوئی کہ اس کتاب سے خاص طور پر جدید اور کالج کی تربیت یافتہ نسل کے گمراہ ہونے کا خطرہ ہے. اور دیگر احباب نے بھی اس کی جانب توجہ مبذول کرائی بالخصوص کلیان اور ضلع گلبرگہ کے احباب نے. اور آخر میں ہمارے خدشات صحیح ثابت ہونے لگے اور ممبئی کے علاوہ دیگر مقامات سے بھی یہ رپورٹیں موصول ہوئیں کہ کچھ نوجوان اس کتابچے سے متاثر ہوگئے ہیں اور بخاری و مسلم کی برملا تخفیف کررہے ہیں. اور اگر کسی بات پر نکیر کی جاتی ہے اور حدیث کا حوالہ دیا جاتا ہے تو فوراً جواب دیتے ہیں کہ یہ حدیث ہماری عقل کے خلاف ہے لہذا لائق تسلیم نہیں ہے. اور شمس صاحب کی یہ کتاب حوالے کے طور پر پیش کردی جاتی ہے. نیز بعض علاقوں سے یہ خبر موصول ہوئی ہے کہ منکرین حدیث اس کتابچے کی تقسیم میں کافی دلچسپی کا مظاہرہ کررہے ہیں اور بڑی سرگرمی کے ساتھ اسے لوگوں کے درمیان تقسیم کررہے ہیں.

دوسری طرف ہمارے کچھ سادہ لوح بھائی ہیں جو ان کے آمین اور رفع الیدین سے دھوکہ کھائے بیٹھے ہیں. اور اسی بنیاد پر ان کی کتابیں خرید لے جاتے ہیں بلکہ فروخت کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں. جبکہ شمس صاحب کا انحراف اور عقلانی رجحان پہلے ہی سے معروف ہے اور منہج سلف اور اہل حدیث سے کسی طرح میل نہیں کھاتا. ان کا حال تو سلفی منہج پر چلنے والوں کے ساتھ وہی ہے جو عربی شاعر نے کہا ہے.

نزلوا بمكة في منازل هاشم   ونزلت بالبطحاء أبعد منزل

وہ تو مکہ میں بنی ہاشم کے گھروں میں جا پڑے ہیں اور میں نے ان سے دور دراز بطحاء میں پڑاؤ ڈال رکھا ہے.

ہاں بہت بڑا فاصلہ ہے دونوں کے درمیان. ایک طرف کتاب وسنت اور صحابہ کی فہم معتبر ہے جبکہ دوسری جانب آراء الرجال اور عقل کی برتری کا اعتبار ہے.

الغرض اس کتاب کے زہریلے اثرات کو محسوس کرتے ہوئے اور احباب کے پیہم اصرار پر اپنی عدیم الفرصتی کے باوجود مجھے مجبوراً قلم اٹھانا پڑا جس کے نتیجے میں یہ کتاب آپ کے سامنے موجود ہے. میں نے ممکنہ حد تک اس کتاب میں اختصار کو پیش نظر رکھا ہے اور بہت سی باتوں کو نظر انداز بھی کر دیا ہے.

کیونکہ یہ کتاب میں نے تحقیق سے زیادہ عوام الناس کی تحذیر کی غرض سے تالیف کی ہے اور جن باتوں پر ہمیں اعتراض ہے وہ باتیں بالبداہت اس قدر غلط اور باطل ہیں کہ ان کے متعلق کچھ سوچنے یا غور فکر کرنے کی مطلق ضرورت نہیں ہے، انھیں تو مجرد سنتے یا پڑھتے ہی رد کر دینا چاہئے.

اگر آپ کو اس میں کچھ تردد ہو تو ایک مرتبہ ان باتوں کو پڑھ جایئے آپ کو پورا پورا یقین ہو جائے گا کہ میں اپنے اس تبصرے میں حق بجانب ہوں. ہاں اتنا ارادہ ضرور تھا کہ عقلانیت اور عقلانی مکتب فکر کے متعلق ایک مبسوط مقدمہ اس کتاب کے شروع میں شامل کروں گا. مگر احباب کی جلد بازی اور اپنی گوناگوں مصروفیات نے یہ موقعہ فراہم ہی نہیں ہونے دیا - وقدر اللہ وماشاء فعل - آئندہ اگر ممکن ہوا تو انشاء اللہ مستقل کتاب اس موضوع پر تحریر کی جائے گی. واللہ الموفق.

اللہ تعالی سے میری دعا ہے کہ اس کتاب کو مسلمانوں کے لئے نفع بخش بنائے اور مجھے اور اس کتاب کے سلسلے میں کسی بھی طرح کا تعاون کرنے والے کسی بھی محب کو ثواب سے محروم نہ رکھے اور ہمارے لئے

اسے ذخیرۂ آخرت بنائے ۔ وہو السمیع المجیب ۔

وصلی اللہ تعالی علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین

محمد مقیم حامد علی فیضی

استاد جامعہ رحمانیہ کاندیولی

ممبئی



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حدیث کی قسمیں یہ سرخی ہے اور اس کے تحت درفشانی کرتے ہوئے پیر زادہ صاحب فرماتے ہیں :
"محدثین نے حدیث کو ایک باقاعدہ فن بنادیا یہاں تک کے حقیقت فن میں گم ہو کر رہ گئی". (ص :۱۲)
ہم کہتے ہیں :

الفت میں ہر ایک نقشہ الٹا نظر آتا ہے ☆ مجنوں نظر آتی ہے لیلی نظر آتا ہے

موصوف نے افسانوی طرز بیان اور شاعرانہ تک بندی کے ذریعہ اپنے اس جملے کو تجریدی آرٹ کا نمونہ بنادیا ہے . مگر ع : ہم سے کہاں چھپیں گی وہ ایسی کہاں کی ہیں .

یہ محدثین کے اصولوں میں شکوک و شبہات ابھارنے کی تمہید ہے . یہ حضرات اپنی کوتاہ دستی و عجز کا اعتراف کرنے کے بجائے محدثین کے اصول و معیار کو نشانہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں جنھوں نے بڑی دقت نظری، جزرسی، انتہائی تدقیق و تحقیق اور جہد و جانفشانی کے ساتھ اس قدر مستحکم بنیادوں پر اپنے اصول و ضوابط کی بنا استوار کی ہے کہ ان کی کی طرف دیکھتے ہوئے ان کوتاہ قامت مدعیان تحقیق کی پگڑیاں گرتی نظر آتی ہیں ، فن کی نزاکتوں کا استیعاب اس قدر صبر و مثابرت ، عرق ریزی ، جودت طبع ، فہم و فراست اور طویل المیعاد جد و جہد کا متقاضی ہے کہ انھیں اپنی سانس رکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے، تو بجائے اس کے کہ یہ لوگ اپنی پست ہمتی ، بے بضاعتی و تہی دامنی، غباوت و بلادت، زود رنجی اور عجز کا اظہار کریں اور محدثین کی عظمتوں اور ان کی جہود مشکورہ کا اعتراف کرتے ہوئے ان کے بیش بہا علمی سرمائے اور بے نظیر فنی تحقیقات سے استفادہ کی کوشش کریں الٹے انھیں کو سناشروع کر دیتے ہیں اور اپنی احساس کمتری کو چھپانے کی غرض سے ان کی عظمتوں کی طرف انگلیاں اٹھانے لگتے ہیں اور ان کے ہنر کو بھی عیب دکھانے کی نامسعود سعی سے گریز نہیں کرتے. حالانکہ :

لا عیب فیهم غیر أن سیوفهم بهن فلول من قراع الکتائب

ان میں سوائے اس کے کوئی عیب نہیں ہے کہ لشکروں سے ٹکرانے کے سبب ان کی تلواروں کی دھاریں کچھ مڑ گئی ہیں .

محدثین کی عمق نگاہی اور پیرزادہ صاحب کی کور چشمی

فن حدیث میں محدثین کی نظر کتنی گہری ہوتی ہے اور اس پر بحث کرتے ہوئے یہ حضرات کس طرح ایک ایک پہلو کو مد نظر رکھتے ہیں اور دوسرے لوگ اس کے بنیادی اصولوں سے بھی کس قدر غفلت کا مظاہرہ کرتے ہیں اور کیسی اہم باتوں کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں اس کی ایک مثال آپ خود شمس پیر زادہ صاحب کے یہاں ملاحظہ فرمائیں ، موصوف صحیح حدیث کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"حدیث صحیح وہ ہے جس کی سند متصل ہو یعنی نبی ﷺ سے اس طرح مروی ہو کہ درمیان میں کوئی راوی چھوٹ نہ گیا ہو. جس کے تمام راوی ثقہ (قابل اعتماد اور عادل) ہوں، جو ضبط کا وصف رکھتے ہوں یعنی حدیث کو اپنے حافظہ میں محفوظ رکھ کر صحیح طور سے ادا کرتے ہوں، اور جن کی روایت کردہ حدیث میں کوئی علت نہ پائی جاتی ہو یعنی ایسی کوئی بات نہ ہو جس کی بنا پر وہ حدیث قابل قبول نہ قرار پائے مثلا حدیث کی اسناد یا متن میں اضطراب (الجھاؤ) نہ ہو". (ص : ۱۲) .

موصوف نے صحیح کی تعریف میں ایک ایسی شرط کو نظر انداز کر دیا ہے جو بڑی ہی بنیادی اور اہمیت کی حامل ہے اور ایک اہل حدیث اس شرط کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کر سکتا اور وہ یہ ہے کہ حدیث شاذ نہ ہو. اور شاذ کی سب سے آسان تعریف یہ ہے کہ کوئی ثقہ راوی اثقہ (یعنی اپنے سے زیادہ ثقاہت رکھنے والے) راوی کی مخالفت کرے. اگر یہ صورت پائی جائے گی تو حدیث درجہ صحت سے گر جائے گی. اور فنی اعتبار سے یہ چیز بہت سی صورتوں میں اثر انداز ہوتی ہے جس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں ہے. اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کسی فن میں اپنی رائے کا اظہار کرنے کے لئے اس فن میں مہارت کیوں ضروری قرار دی جاتی ہے. اور جب کوئی شخص کسی ایسے فن پر نقد کرنے کا بیڑا اٹھاتا ہے جس میں اس کی معلومات سطحی قسم کی ہوتی ہیں تو یقینی طور پر وہ سخت قسم کی ٹھوکریں کھاتا ہے اور جب اس قسم کا کوئی شخص ہیچ مدانی کے باوجود ہمہ دانی کے مرض کا شکار ہو تو اسے اپنے مرض اور کمزوری کا احساس ہونے کے بجائے فن ہی میں کیڑے نظر آتے ہیں اور وہ اسی طرح کے جملوں سے اہل فن کو نوازتا ہے کہ" محدثین نے

حدیث کو ایک باقاعدہ فن بنادیا یہاں تک کے حقیقت فن میں گم ہو کر رہ گئی ".

متضاد پیمانہ

کتابت حدیث کے عنوان کے تحت انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک روایت ذکر کی ہے کہ " حضرت عمر نے حدیثیں قلمبند کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر پھر ارادہ بدل دیا اور فرمایا : " جیسا کہ آپ جانتے ہیں میں حدیثیں لکھنے کا ارادہ باندھ رہا تھا - اندریں اثنا مجھے یاد آ گیا کہ مسلمانوں سے پہلے اہل کتاب نے کتاب خداوندی کے ساتھ اور کتابیں لکھیں پھر کتاب الہی کو چھوڑ کر انھیں کے ہو رہے بخدا میں کتاب اللہ کے ساتھ کسی چیز کو خلط ملط نہیں کروں گا - چنانچہ انھوں نے کتابت احادیث کا ارادہ ترک کر دیا". (ص :۹ بحوالہ علوم الحدیث -ڈاکٹر صبحی صالح ۵۹ بحوالہ طبقات ابن سعد ۳ / ص ۲۰۶)
اب دیکھئے کہ یہ کیسا متضاد پیمانہ ہے کتاب لکھی ہے ترغیب تحقیق میں اور اس میں لوگوں کے بارے میں رونا رویا ہے کہ یہ لوگ تحقیق سے کام نہیں لیتے بلکہ محدثین عظام تک کو روایت پرستی کا طعنہ دیا ہے یہاں تک کہ ناقد فن اور محقق بے نظیر حافظ بن حجر رحمہ اللہ بھی ان کی دست درازی سے محفوظ نہیں رہ سکے مگر خود اتنے اصولی اور مہتم بالشان مسئلے میں مذکورہ بالا ضعیف و منقطع روایت سے استدلال کرنے میں قطعی کوئی حرج محسوس نہیں فرماتے اور چونکہ فلاسفہ کے مطابق ان کے تحت الشعور اور لاشعور میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ متواتر کے علاوہ تمام تر ذخیرۂ حدیث ،اصول محدثین اور رواۃ حدیث کے سلسلے میں احتمال پایا جاتا ہے لہذا اس مدلول کو ثابت کرنے کے لئے چاہے کتنی ہی واہی اور کمزور دلیل ہو اور کتنی ہی دور کی کوڑی لانی پڑے اس سے استدلال کرنے میں نہیں چوکتے اور سارے تحقیقی مواعظ حسنہ جو دوسروں کے لئے ارشاد فرمائے جاتے ہیں وہ اپنے لئے فراموش کر دئے جاتے ہیں.
اسی بحث میں موصوف آگے چل کر لکھتے ہیں : " پھر تابعین اور ان کے بعد تبع تابعین کا دور آیا اور حدیثیں سینہ بسینہ منتقل ہوتی رہیں ...... ".
شاید پیرزادگی کے اثر سے صوفیانہ طرز گفتگو کے جراثیم آج تک نہیں نکل سکے اسی لئے خالص صوفیانہ

اصطلاح سینہ بسینہ تو انھیں یاد رہی مگر رسول اکرم ﷺ اور ان کے صحابہؓ نے تحریری طور پر جو حدیثیں لوگوں تک پہنچائی ہیں اس کی تفصیل انھیں یاد نہیں رہی۔ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مختلف حالتوں میں بذریعہ تحریر لوگوں کو نبی ﷺ کی سنتوں اور حدیثوں کی طرف توجہ دلائی ہے تاکہ لوگ ان پر عمل کریں. چنانچہ ابو عثمان نہدی فرماتے ہیں : " كنا مع عتبه بن فرقد (بأذر بيجان) فكتب إليه عمر رضى الله عنه بأشياء يحدثه عن النبى ﷺ ،فكان فيما كتب إليه ، أن رسول الله ﷺ قال " لا يلبس الحرير فى الدنيا إلا .... (مسند احمد ١ :٣٦ اور مسلم نے کتاب اللباس میں اسی طرح بخاری نے بھی کتاب اللباس میں اسے روایت کیا ہے اور آذر بائجان کا کلمہ مسلم سے ماخوذ ہے. دیکھئے دراسات فى الحديث النبوى ج١ ص :١٣٩) .

مذکورہ روایت کا مطلب یہ ہے کہ ہم عتبہ بن فرقد کے پاس آذر بائجان میں تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں رسول اللہ ﷺ کی کچھ حدیثیں لکھ بھیجیں اور ان تحریر کردہ حدیثوں میں یہ حدیث بھی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : "ریشم نہیں پہنے گا مگر وہی...... ".

اس کے علاوہ بھی حضرت عمرؓ سے بہت سی مثالیں موجود ہیں نیز دیگر صحابہ کرامؓ سے بھی احادیث کے کثرت سے تحریر کرنے کا ثبوت ملتا ہے جسے طوالت کے خوف سے نظر انداز کرتا ہوں. اس فن پر لکھی گئی کتابوں میں یہ بحث تفصیلی طور پر دیکھی جاسکتی ہے ان میں محولہ بالا کتاب دراسات فی الحدیث النبوی بھی بڑی عمدہ کتاب ہے جو ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی کی لکھی ہوئی ہے.

ضعیف حدیث کو قبول کرنے کا خود ساختہ اصول

موصوف نے ضعیف احادیث کے مردود اور نا قابل عمل ہونے کے سلسلے میں مختلف لوگوں کے اقتباسات نقل فرمائے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ فضائل اعمال کے سلسلے میں بھی ضعیف حدیث سے استدلال کرنے کے قائل نہیں ہیں اور یہی صحیح مذہب بھی ہے. مگر اس کے معا بعد ہی

عجب طرح کے تضاد اور ذہنی پراگندگی کا کا شکار نظر آتے ہیں. وہ لکھتے ہیں : " ضعیف حدیث کے قابل قبول ہونے کی اگر کوئی مناسب صورت ہو سکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ حدیث کے راوی ثقہ ہوں لیکن ضبط (یادرکھنے) میں کمی پائی جاتی ہو یعنی نسیان ہو تا ہو، وہ قرآن اور احادیث صحیحہ کے معارض (خلاف) نہ ہو اور حکم کسی ایسے مسئلے کا بیان کیا گیا ہو، جو مقتضائے شریعت ہو (اور اس اقتضا کا تعین شاید شمس پیر زادہ اور ان جیسے درایتی پہلوانوں کی عقلی صلاحیتوں پر منحصر ہے جو اپنے لئے تمام راستے صاف اور ہر طرح کے چور دروازے کھلے رکھتے ہیں تاکہ جس وقت ضرورت پڑے ان کا استعمال کیا جا سکے - فیضی) مثلاً مال تجارت پر زکاۃ کے بارے میں ابو داود کی یہ حدیث کہ : " رسول اللہ ﷺ ہمیں اس مال میں زکاۃ نکالنے کا حکم دیتے تھے جسے ہم فروخت کے لئے تیار رکھتے تھے."

اس کے ایک راوی جعفر بن سعد ہیں جو ضعیف ہیں لیکن اس حدیث کو قبول کرنے میں کوئی مانع نہیں. (ص : ١٧) .

پتہ نہیں ضعیف حدیث کے قابل قبول ہونے کا یہ ضابطہ انھوں نے کس آیت یا کس حدیث سے اخذ کیا ہے ؟ یا اہل فن میں سے کس نے اس کی جانب اشارہ فرمایا ہے ؟ اب آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ جس انسان کے جی میں جو بھی آئے بغیر کسی دلیل کے اسی کو ضابطہ بنا لے تو کیا شریعت مذاق بن کر نہیں رہ جائے گی ؟ کیا اس کے بعد کسی بدعتی پر کوئی بندش لگائی جا سکتی ہے ؟ کہاں تو فضائل اعمال میں بھی ضعیف حدیث کے قبول کرنے کے روادار نہیں اور کہاں احکام میں بھی اگر روایت ان کے ہوائے نفس یا عقلی تقاضوں کے مطابق ہو تو اس کے ضعف کے باوجود بھی اس کے قبول کرنے میں کوئی مانع نہیں سمجھتے. اسی کو کہتے ہیں میٹھا میٹھا ہپ اور کڑوا کڑوا تھو.

خود جس روایت کو مثال میں پیش کیا ہے وہ صحیح احادیث اور اسلام کے اصول عام " **البراء ة الأصلية** " سے ٹکرا رہی ہے. نبی ﷺ کی مشہور حدیث ہے جسے مختلف محدثین نے صحیح سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا : " **إِنَّ دِماءَ كُمْ وأَموَالَكُم ، وأعرَاضَكُمْ ، حرَامٌ علَيْكُم** ...."

تمہارے خون، تمہارے مال، اور تمہاری عزتیں تم پر (باہم) حرام ہیں............ .

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلم کا مال دوسرے مسلم پر حرام ہے اور دیگر روایتوں کو جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں اگر ملایا جائے تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کسی مسلمان کا مال دو ہی صورتوں میں لیا جاسکتا ہے (۱) اپنا مال وہ بخوشی کسی کو عطا کردے (۲) شریعت نے اس مال میں کسی کا حق متعین کیا ہو اور یہ چیز صحیح طور پر ثابت شدہ نصوص ہی کے ذریعہ متعین ہوسکتی ہے نہ یہ کہ ضعیف حدیث کے ذریعہ کسی پر وہ چیز لاگو کی جائے جو اللہ تعالی نے اس پر لاگو نہیں فرمائی ہے. یہ ظلم اور گناہ ہے.

دیکھئے پیرزادہ صاحب کی اس اصول تراشی کا کتنا بھیانک نتیجہ سامنے آتا ہے کہ اس کے ذریعہ حرام چیز حلال ہوجائے اور لوگوں پر ظلم وزیادتی روا قرار پائے. انارکی اور بے راہ روی کا یہی نتیجہ ہوتا ہے. اگر مال تجارت میں زکاۃ واجب ہوگی تو کسی صحیح دلیل ہی کے ذریعہ ہوسکتی ہے بودی اور ضعیف روایتوں کے ذریعہ نہیں . اللہ تعالی ہمیں بھی اور آپ حضرات کو بھی تفقہ فی الدین کا صحیح طریقہ عنایت فرمائے. (آمین) .

مگرمچھ کے آنسو

حضرت بڑے دردمندانہ انداز میں رقم طراز ہیں اور شاید رو بھی پڑے ہوں مگر ان کے ان آنسوؤں کو ہم مگرمچھ کے آنسو ہی کہہ سکتے ہیں، فرماتے ہیں : " گویا احناف کے لئے تو اپنے اصولوں کے پیش نظر صحیح حدیثوں کو بھی قبول نہ کرنے کی گنجائش ہے لیکن تحقیق کا مسلک اپنانے والوں کے لئے ضعیف حدیثوں سے انکار کرنے کی گنجائش نہیں ہے- حدیث کے بارے میں یہ کیسا معیار ہے ؟ ". (ص :۱۷) احناف کو تو ان کے یہ اصول اور ان کی یہ گنجائشیں مبارک ہوں مگر تحقیق کا مسلک اپنانے والے کس دنیا کی مخلوق ہیں اور کیا بیچتے ہیں ؟ ان کی بھی نشاندہی فرمادی ہوتی تو بڑا کرم ہوتا. خواہ مخواہ لوگوں کو ذہنی ورزش پر مجبور کردیا. پھر یہ ضعیف کا پردہ کیوں رکھا؟ صاف کہہ دیا ہوتا کہ غیر متواتر حدیثوں سے انکار کرنے کی گنجائش نہیں تب تو یہ تحقیق کا مذہب اپنانے والے بھی روشنی میں آجاتے اور ہم بھی شاید اظہار ماتم اور نالہ وشیون میں آپ کے لئے کچھ کرائے کے نوحہ گر ڈھونڈ لاتے اور سب مل جل کر راگ

الا پتے : آعندلیب مل کے کریں آہ وزاریاں

توہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

ناظرین ابھی سے حیران نہ ہوں یہ تو نقارے کی پہلی ضرب ہے جب پردہ اٹھے گا تب اصل تماشہ نظر آئے گا .

تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

اسماء الرجال کی تعریف اور چند کتب رجال کا نام گنانے کے بعد موصوف خود اپنے کلام نمکین پر تمکین کا چٹخارہ لیتے ہوئے خوب چبا چبا کر فرماتے ہیں : " ان کتب کے مولفین نے بڑی محنت سے راویوں کے احوال معلوم کر کے درج کئے ہیں جن سے بڑی مفید معلومات سامنے آتی ہیں اور راوی کے ثقہ یا ضعیف ہونے پتہ چلتا ہے - لیکن مشکل یہ ہے کہ کتنے ہی راویوں کے بارے میں محدثین کے متضاد اقوال منقول ہیں - ہم یہاں ان کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں .... " .

یہ نقارے پر دوسری چوٹ ہے اور اس کے بعد دمادم کا سماں ہے !!! دھیرے دھیرے پردہ اٹھ رہا ہے مگر اصل تماشہ ابھی بھی شروع نہیں ہوا ہے . انتظار کیجئے انتظار - آخر آپ کا صبر بھی تو آزمانا ہے ☆☆☆☆☆ لیجئے جو نظارہ سامنے ہے پہلے اسی کا لطف اٹھالیجئے .

یہ دیکھئے ابن پیر نے اپنے تیار کردہ پلاٹ کے مطابق چند مشہور رواۃ حدیث کے نام پیش فرمائے ہیں جن کے بارے میں جرح و تعدیل دونوں طرح کے الفاظ اسماء الرجال کی کتابوں میں وارد ہوئے ہیں جنھیں موصوف نے قدرے تفصیل کے ساتھ نقل فرمایا ہے . پھر گوہر افشانی کرتے ہوئے اپنے بیش بہا فرمودات بڑی بے نیازی کے ساتھ قارئین کی نذر کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں : " یہ چند مثالیں اسماء الرجال کی مستند کتابوں سے پیش کی گئی ہیں . اس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ بعض ثقہ راویوں کے بارے میں بھی احتمال کا پہلو ہوتا ہے اس لئے اسناد کے ساتھ حدیث کے متن (مضمون) کو بھی دیکھنا ضروری ہے - اور یہیں سے درایت کی ضرورت واہمیت کھل کر سامنے آتی ہے " .

کس دنیا میں ہیں آپ پردہ اٹھ چکا ہے اور پہلا منظر آپ کے سامنے ہے. یہ " احتمال " کا لفظ آپ نے دیکھا بہت پاپڑ بیلے گئے ہیں اس کے لئے اور بڑا کھڑاگ رچا گیا ہے مگر تماشے کا مرکزی نقطہ ابھی بھی نگاہوں سے اوجھل پردے کے پیچھے ہے. اتنی کاوشیں تو محض تمہیدی حیثیت کی حامل ہیں مگر اس کے باوجود لفظ احتمال کی سنگینی اس قدر ہے کہ محدثین کی چہاردہ صد سالہ جھود سے جو فلک بوس عمارت تعمیر ہوئی ہے وہ اس احتمال کے تیشہء فرہاد سے چشم زدن میں زمین بوس ہو کر رہ جاتی ہے (وبئس ما زعموا) .

اب مدعیان تحقیق کے لئے راستہ بالکل صاف ہے. کوئی ضابطہ اور کوئی اصول ان کے پیروں کی بیڑی اور گلے کا طوق نہیں بن سکتا . کیا سمجھا آپ نے ؟.

اس عبارت کے پیش لفظ و پس لفظ اور بین السطور و حواشی سب سے اعتزال و تجہم کی صدا آرہی ہے اور مودودی و اصلاحی و سید سبھی کی صداؤں کی بازگشت سنائی دے رہی ہے.

واہ صاحب واہ ! اس کتابچے کو لکھ کر آپ نے کون سا تیر مار لیا ؟ جب آپ کے اسلاف اپنی حسرتوں کا جنازہ اپنے کاندھوں پر اٹھائے اس دنیائے رنگ و بو سے سدھار گئے اور " اے بسا آرزو کہ خاک شدہ " کا عبرتناک جملہ اپنے اخلاف کی گوشمالی کے لئے چھوڑ گئے. تو پھر آپ نے اس خار زار وادی میں قدم کیوں رکھا ؟ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ " **السعید من وعظ بغیرہ** " ؟.

جرح و تعدیل اور توثیق و تجریح کا ضابطہ

پیر زادہ صاحب کو محدثین کے عدل وانصاف کی شاید خبر نہیں ہے یا پھر تجاہل عارفانہ فرماتے ہیں.

محدثین کا تراجم رجال کے سلسلے میں طریقہء کار یہ ہے کہ ہر راوی کے متعلق مدح و ثنا کے کلمات ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ ان کلمات کا ذکر بھی کر دیتے ہیں جو ان پر بطور نقد یا بطور تنقیص کے وارد ہوئے ہیں خواہ اس کا کوئی اعتبار ہو یا نہ ہو اور یہ نقد کرنے والے خواہ اس لائق ہوں کہ ان کی باتیں قابل قبول ہوں یا سرے سے مردود ہوں. تاکہ کسی شخصیت کے بارے میں بالکل غیر جانبدارانہ فیصلہ کیا جا سکے.

اور ہر وہ شخص جس کے اندر نقد و تبصرہ کرنے کی صلاحیت موجود ہو ان کے بارے میں کوئی ٹھوس

رائے قائم کر سکے۔ یہ محدثین کی اتنی بڑی خوبی ہے کہ کسی بھی فن کا کوئی بھی ماہر اس سلسلے میں ان کی ہمسری کا دعوی نہیں کر سکتا۔

جس طرح تعدیل کی معروف شرائط ہیں اسی طرح جرح کے مقبول ہونے کا بھی ضابطہ اور اس کی معروف شرطیں ہیں۔ کسی بھی معروف العدالت راوی کے خلاف اگر کوئی غیر مفسر جرح پائی بھی جائے تو وہ قبول نہیں ہوگی۔ جرح کے ملابسات کو بھی مدنظر رکھنا ضروری ہوگا۔ بعض لوگ جرح کے سلسلے میں تعنت و تشدد کا شکار ہوتے ہیں ان کی جرح بڑی احتیاط اور پوری تحقیق کے بعد ہی قبول کی جائے گی۔ اسی طرح معاصرت بھی بسا اوقات زیادتی کا سبب ہوتی ہے اور یہ چیز تتبع سے معلوم ہو جاتی ہے۔ یہ ضوابط تو عام لوگوں کے سلسلے میں ہیں جن کی عدالت معروف ہو۔ مگر جو اس فن کے ائمہ ہیں اور ان کی ثقاہت اس فن کے ماہرین کے نزدیک مسلم اور ہر طرح کے شک وشبہ سے بالاتر ہے ان کی شان تو عام لوگوں سے بہت زیادہ بلند ہے۔ ان کے بارے میں کسی عامی کی جرح کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ مزید برآں محدثین واساطین فن نے بعض لوگوں کے سلسلے میں کسی مخصوص کیفیت سے متعلق جرح کی ہے اور عام حالات میں انھیں ثقہ قرار دیا ہے تو جرح بس اسی حالت کے ساتھ خاص ہوگی اس کو عام کرنا زیادتی ہوگی۔ تو جو شخص محدثین کے ان اصولوں کے بارے میں گہری معلومات نہیں رکھتا اور احادیث یا ان کے رواۃ پر حکم لگانے کی کوشش کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ تیراکی سیکھے بغیر کوئی شخص سمندر میں کود پڑے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ اسے ڈبکیاں کھانی پڑیں گی اور اگر کوئی بچانے والا نہ ہوا تو ڈوب مرے گا۔

میں نے جیسا کہ پہلے ہی عرض کیا ہے کہ یہ فن بہت ہی دقت طلب ہے اور فہم وذکا کے ساتھ ساتھ طویل مدت کی جد وجہد کا طالب ہے اور یہاں اس بات کا اضافہ کرتا ہوں کہ اس سلسلے میں اس بحر کی شناوری کرنے والوں کی رہنمائی بھی بہت ضروری ہے ورنہ اس فن کی بہت سی نزاکتیں کوشش کے باوجود انسان کی گرفت میں نہیں آتی ہیں۔ اور ان حضرات کے ساتھ یہی مشکل ہے کہ اول تو ان کے اندر صبر کی کمی ہوتی ہے اس لئے وقت سے پہلے ہی اچھل کود مچانے لگتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ کسی صاحب علم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے میں انھیں عار محسوس ہوتا ہے اور جن کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں اول تو وہ کتابیں خود انھیں جیسے لوگوں کی تالیف کردہ ہوتی ہیں اور اگر اہل فن کی کتابوں کا

مطالعہ بھی کرتے ہیں تو یا تو انھیں سمجھ ہی نہیں پاتے اور اگر سمجھ بھی لیتے ہیں تو اپنے ماحول کے اثر سے کچھ باتیں ان کے ذہن ودماغ میں اس قدر جاگزیں اور راسخ ہو جاتی ہیں کہ ان کے اثرات سے خود کو آزاد نہیں کرا پاتے۔ ان کے علاوہ بھی دیگر مشکلات ہیں جن کے ذکر کا یہ موقعہ نہیں ہے۔

الغرض یہ حضرات اپنی کم علمی، عدم فہم، یا اپنے ماحول کو قصوروار ٹھیرانے کے بجائے اپنی تحقیق کا بخار دوسروں پر اتارنے لگتے ہیں اور ان کا نزلہ ہمیشہ بے قصوروں پر گرتا ہے۔

آخر محدثین عقل وخرد اور فہم ودانش سے عاری تو نہ تھے مزید بر آں وہ انتہائی پختہ کار، کہنہ مشق اور ہر طرح کے نشیب وفراز سے آگاہ، اور فن کے ہر پہلو پر نظر رکھنے والے تھے اسی لئے انکے کمال کا اعتراف بڑے بڑے غیر مسلم دانشوروں اور مبصرین وماہرین نے بھی برملا کیا ہے۔ تو ظاہر سی بات ہے کہ انھوں نے کسی قسم کے احتمال کو فراموش یا نظر انداز تو نہیں کیا ہوگا۔ آپ ہر طرح کی ذہنی آلودگی سے آزاد ہو کر غیر جانبداری اور سنجیدگی کے ساتھ علوم الحدیث پر لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ فرمائیں تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ محدثین کس قدر نکتہ رس، دور بین، صائب الرائے اور گہری فکر ونظر کے مالک تھے اور کس قدر بحث وتمحیص کے ذریعہ انھوں نے اس علم کی تنقیح فرمائی ہے اور ہر قسم کے احتمال اور اس کی اثر اندازی کے حدود کو متعین فرمایا ہے۔ اور اس کا ایسا عمدہ تجزیہ کیا ہے کہ انسان عش عش کر اٹھے۔

لھذا جن احادیث پر ناقد فن محدثین نے صحت کا حکم لگایا ہے ان میں ہر طرح کے احتمال کو مد نظر رکھ کر اور اس بات کا یقین کرنے کے بعد ہی لگایا ہے کہ کوئی احتمال اس خاص حدیث کے سلسلے میں قادح نہیں ہے۔ اور خاص کر کسی حدیث کی صحت پر اساطین فن کا اجتماع ہو جائے تو پھر کیا کہنا یہ وہ لوگ ہیں جو کبھی بھی گمراہی اور خطا پر مجتمع نہیں ہو سکتے اللہ تعالی کی حفاظت ان کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس لئے آپ کو چنداں فکر مند ہونے کی حاجت نہیں۔

اور آپ نے جو یہ فرمایا کہ " اس لئے اسناد کے ساتھ حدیث کے متن (مضمون) کو بھی دیکھنا ضروری ہے اور یہیں سے درایت کی ضرورت واہمیت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ "۔

تو عرض ہے کہ محدثین اور اصحاب فن نے اس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے اور اسے اس کا پورا پورا حق عطا کیا ہے لھذا آپ کو واویلا مچانے کوئی ضرورت نہیں ہے۔ رہی یہ بات کہ آپ کو بھی یہ حق دے

دیا جائے کہ اپنی سقیم عقل کے ساتھ احادیث کے متن سے زور آزمائی فرمائیں اور اپنے عقلی پنجے لڑائیں تو ایسا ہر گز نہیں ہو سکتا. آپ کا یہ منصب نہیں ہے ! لھذا بے جا اچھل کود مچانے کے بجائے اپنی رہوار تحقیقات کا رخ کسی اور جانب موڑ دیں اللہ آپ کا بھلا کرے گا .

درایت کا ہوّا

عنوان درایت کے تحت موصوف نے درایت پر جو روشنی ڈالی ہے اس کا لب لباب یہ ہے کہ درایت کا مطلب ہوتا ہے عقلی پیمانوں پر حدیث کو پرکھنا اور اس مدعی کو ثابت کرنے کے لئے انھیں مختلف لوگوں کی عبارتوں کو اپنے سیاق و سباق میں بڑی مہارت اور چابک دستی کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت پڑی اگر چہ درایت کی تعریف میں کچھ دیگر باتیں بھی اضطراری طور پر پیش کرنے کی نوبت آگئی مگر اصل ہدف تو وہی چیز تھی جو بیان کی گئی.

بڑی باریک ہیں واعظ کی چالیں ☆ لرز جاتا ہے آواز اذاں سے

جس ماحول میں انسان پروان چڑھا ہو اس کے تلوثات سے خود کو نکالنا بہت مشکل ہوتا ہے اور بعض لوگ تو خود کو اس سے کسی صورت نکالنا ہی نہیں چاہتے . یہی مشکل پیر زادہ صاحب کی بھی ہے . مگر موصوف چونکہ اپنے اسلاف کا حشر ملاحظہ فرما چکے ہیں اور دودھ کا جلا چھاچھ پھونک پھونک کر پیتا ہے اس لئے انھوں نے بڑی احتیاط کے ساتھ بڑی بڑی شخصیتوں کی آڑ لے کر آہستہ آہستہ غیر محسوس انداز میں اپنے مقصد کی جانب قدم بڑھایا ہے . مگر :

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش ☆ من انداز قدت را می شناسم

حالانکہ ان بزرگوں نے جب ان اصولوں کو مرتب کیا ہوگا تو انھیں یہ وہم و گمان بھی نہ ہوگا کہ ان اصولوں کا اس طرح استغلال و استحصال کیا جائے گا اور ان کے اصل سباق سے ہٹا کر انھیں کوئی دوسرا معنی پہنایا جائے گا اور سنت رسول ﷺ سے کھلواڑ کرنے والے اسے اپنا ہتھیار بنالیں گے . اور بقول علامہ سلفی علیہ من اللہ الرحمۃ والرضوان : ”فلاسفہ اسلام اور متکلمین نے اپنے جدید افکار سے اسلام اور

اس کے عقائد میں تشکیک پیدا کردی. بجائے اس کے کہ درایت اور تفقہ سے روایت بالمعنی کی امکانی غلطیوں سے بچاجاتا، تاویل سے بھی گزر کر تحریف کی سرحدوں کو عبور کرنا شروع کردیا گیا".
(حجیت حدیث ص :۳۸۲ مطبوعہ جامعہ سلفیہ بنارس)

اگر درایت کے موضوع پر آپ حضرات تفصیل ملاحظہ فرمانا چاہتے ہوں تو اس کتاب کا ضرور مطالعہ فرمائیں بلکہ خبر واحد کی حجیت ، سنت کی آئینی حیثیت اور سنت سے متعلق قدرے سیر حاصل بحث پر مطلع ہونے کی خواہش اگر آپ کے دل میں ہے تو اس کتاب کا مطالعہ اپنے اوپر لازم قرار دے لیں اس لئے کہ اس کتاب میں ماضی قریب اور دور حاضر کی دو قد آور شخصیتوں اور علمی دنیا کی مسلم الثبوت ہستیوں کے پر مغز اور وقیع مقالات ہیں.

دور قدیم وجدید میں جن لوگوں نے بھی محدثین کے اصولوں سے ہٹ کر احادیث پر من چاہا حکم لگانا چاہا انھوں نے عقل و نقل کے درمیان تعارض کا سہارا لیا اور دور جدید میں درایت کا خوبصورت لفظ اس کے لئے مخصوص کر لیا گیا حالانکہ درایت کی اصطلاح محدثین کے یہاں دوسرے معنوں میں مستعمل تھی.
بہر کیف علماء نے ہر دور میں پوری طرح ان کا تعاقب کیا اور ان کی اصل حیثیت انھیں سمجھادی اور اس موضوع پر مختلف کتابیں لکھی گئیں جن میں ابن قتیبہ دینوری رحمہ اللہ کی تاویل مختلف الحدیث اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی درء تعارض العقل والنقل اور ان کی دیگر کتابوں میں بھی اس موضوع پر کافی مواد پایا جاتا ہے اسی طرح امام طحاوی کی مشکل الآثار بھی اسی موضوع پر لکھی گئی ہے. ان کے علاوہ بھی دیگر کتب ہیں. اسی طرح شراح حدیث نے بھی موقعہ بموقعہ اس موضوع پر بحثیں کی ہیں.
غرضیکہ اہل سنت اسے ہمیشہ ایک فتنہ سمجھتے رہے اور اسی انداز میں اس کے ساتھ تعامل فرماتے رہے جس طرح فتنوں کے ساتھ کیا جاتا ہے.
دور جدید میں منکرین حدیث تو ایک طرف رہے مگر اس فتنے کو سید قطب اور اخوانیوں اور مولانا مودودی اور ان کے رفقاء اور جماعت اسلامی کے ذریعہ بہت تقویت ملی. ان لوگوں کا رویہ احادیث کے ساتھ بہت ہی مذبذب اور غیر متوازن رہا ہے . اور یہ حضرات ذخیرۂ حدیث اور اصول محدثین کو نہ

صرف یہ کہ ہمیشہ شک کی نظر سے دیکھتے رہے ہیں بلکہ اس میں تشکیک سے باز نہیں آتے اور اپنے مطلب و مقصد کے حصول اور اپنے نظریات کی تصدیق و توثیق کی خاطر واہی اور ضعیف ترین روایات سے بھی استدلال کرنے میں جھجک محسوس نہیں کرتے بلکہ اپنی عقل سے بھی شریعت سازی اور حق وباطل کا معیار معین کرنے میں انھیں کوئی گرانی محسوس نہیں ہوتی. اور قرآن پاک کی تفسیر میں بھی حریت فکر کے نام پر عجیب عجیب بے اعتدالیوں اور نادر و غریب تحقیقات کا انبار لگادیا ہے .

پیرزادہ صاحب اگرچہ رسمی طور پر جماعت اسلامی سے نکل آئے ہیں مگر ذہنی و نظریاتی طور پر آج بھی وہ اسی طبقے کی نمائندگی کرتے ہیں. زیر بحث کتابچہ اور ان کی دیگر تحریرات بالخصوص ان کی تفسیر دعوۃ القرآن اس کی واضح دلیلیں ہیں.

یہ لوگ اپنے مذموم مقاصد کے لئے عقل، درایت، تفقہ وغیرہ کا اس قدر پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اور کسی نے عقل و تفقہ کو نہ در خور اعتنا سمجھا ہے نہ درایت ہی سے اس کو کوئی واسطہ رہا ہے. ان پروپیگنڈائی مذہب پر ایمان لانے والوں ہی کے جواب میں علامہ محمد اسمعیل سلفی رحمہ اللہ نے لکھا ہے : " یہ بھی صحیح نہیں کہ احادیث کی تنقید میں درایت کو اہمیت نہیں دی گئی، یا محدثین کا نقطہ نظر اخباری تھا فقہی نہ تھا بلکہ جہاں تک عقل و درایت کا مقام ہے اس کا پورا پورا احترام فرمایا گیا ہے .... درایت اور ہیرے کی جوت سے کوئی بھی بے خبر نہ تھا- رحمهم الله رحمة واسعة- ابن قیمؒ اپنے شیخ حافظ ابن تیمیہؒ سے نقل فرماتے ہیں : " قال وقد تدبرت ما أمكنني عن أدلة الشرع فما رأيت قياسا صحيحا يخالف حديثا صحيحا كما أن المعقول الصحيح لا يخالف المنقول الصحيح بل متى رأيت قياسا يخالف أثرا فلا بد من ضعف أحدهما الخ .

حسب امکان میں نے شرعی دلائل پر غور کیا ہے، میں نے صحیح قیاس کو صحیح حدیث کے خلاف نہیں پایا، جس طرح عقل صحیح نقل صحیح کے کبھی خلاف نہیں ہوتی. جب قیاس کسی اثر کے خلاف ہوتا ہے تو ان میں سے ایک ضرور ضعیف ہوتا ہے لیکن قیاس صحیح اور فاسد میں تمیز کرنا آسان نہیں.

اسی قسم کی صراحت امام شافعیؒ اور شاہ ولی اللہؒ سے بھی منقول ہے جسے طوالت کی وجہ سے نظر انداز کیا جا رہا ہے. پھر ابن الجوزی وغیرہ کی عبارتیں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں : مولانا اصلاحی اور مودودی

صاحب کے مضامین میں نقد حدیث کے متعلق جن نکات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے- محدثین کی نظر اس سے بہت آگے ہے- یہ کس مسخرے نے آپ حضرات کو بتایا کہ محدثین نے اصول درایت کو نظر انداز کر دیا یا ان کا نقطہ نظر صرف اخباری تھا .... بحث اس میں نہیں کہ فہم اور تنقید حدیث میں محدثین کے نزدیک عقل اور درایت کو دخل ہے یا نہیں کیونکہ پورے دین کا خطاب عقلمندوں سے ہے بلکہ بحث اس میں ہے کہ آیا ہر مدعی عقل کو یہ اجازت دے دی جائے کہ وہ کتاب وسنت کو اپنی عقل کی سان پر رکھ کر پرکھنا شروع کر دے اور جو حکم اس معیار پر پورا نہ اتر سکے اس کا انکار کر دیا جائے یا اسے ماخذ کے لئے تعصب سے تعبیر فرما کر حقارت کی نگاہ سے ٹھکرا دیا جائے. آیا عقل و درایت کو احادیث و سنت کے اس قتل عام کی اجازت ہونی چاہئے ؟ ائمہ اور حفاظ حدیث اور آج کے گنہگار اہل حدیث اس کے مخالف ہیں اور انشاء اللہ رہیں گے، الفاظ کی تعبیر میں تنوع اور اسالیب کلام میں ہیرا پھیری سے حقائق نہیں بدل سکتے. ". (حجیت حدیث : ۲۹۷ تا ۳۰۰)

پیرزادہ صاحب قدم بقدم اپنے ہدف تک پہنچ رہے ہیں اور اب تمہید وتوطئہ کے آخری اسٹیج پر آچکے ہیں اور شکار پر ہاتھ مارا ہی چاہتے ہیں. لیجئے آپ بھی ان کا اس سلسلے کا آخری ڈائلاگ ملاحظہ فرمائیں : " بعض باتیں بدیہی طور پر غلط ہوتی ہیں اور ان کو ہرگز باور نہیں کیا جاسکتا. اس سلسلہ میں ہمیں قرآن سے رہنمائی ملتی ہے چنانچہ واقعہ افک (بہتان کا واقعہ) کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا :

ولولا إذ سمعتموه قلتم ما يكون لنآ أن نتكلم بهذا سبحنك هذا بهتان عظيم "جب تم نے یہ بات سنی تو کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں ایسی بات زبان پر لانا زیب نہیں دیتا. سبحان اللہ! یہ تو بہت بڑا بہتان ہے. " (النور ۱۶)

یعنی بہتان کا یہ واقعہ بالبداہت اتنا غلط تھا کہ اس کی تحقیق کی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ اس کے راوی(۱) کون ہیں اور وہ کیسے ہیں بلکہ سنتے ہی اس کی تردید کرنا چاہئے تھی. اس سے روایات کے بارے میں بھی

---

(۱) یہ راوی کا کلمہ کافی ذومعنی ہے اور بڑی منصوبہ بندی کے ساتھ یہاں لایا گیا ہے.

ہمیں اصولی رہنمائی ملتی ہے کہ جن روایتوں میں ایسی باتیں بیان ہوئی ہیں جن سے نبی ﷺ کی یا کسی بھی نبی کی شخصیت مجروح ہوتی ہے یا آپ کے ساتھیوں پر بہتان کی حیثیت رکھتی ہیں یا جو مسلمہ اصول دین کے خلاف ہیں ان کی فوراً تردید کی جانی چاہئے اس بحث میں پڑے بغیر کہ اس کے راوی ثقہ ہیں یا نہیں.

(ص : ۲۱، ۲۲) .

اور یہی وجہ ہے کہ موصوف نے اس اصول پر فوراً عمل کیا اور سب سے پہلے اسی واقعے پر ہاتھ صاف کر ڈالا جس کے متعلق یہ اصول نازل ہوا تھا چنانچہ اپنی تفسیر دعوۃ القرآن میں نہ صرف یہ کہ واقعہ افک سے متعلق بخاری وغیرہ کتب حدیث کی صحیح ترین روایت کا انکار کیا بلکہ اس کے راوی مشہور و جلیل القدر امام حدیث زہری رحمہ اللہ پر تہمت لگانے سے بھی باز نہیں آئے یہاں تک کہ انھیں شیعہ بھی بناڈالا اور اگر موصوف کی عمر کی بزرگی کا لحاظ نہ ہوتا تو میں کہتا کہ انھوں نے اس روایت پر اعتراضات کے سلسلے میں عجیب و غریب اور گوناگوں حماقتوں کا ارتکاب کیا ہے. مگر یہ لحاظ اس تعبیر کے استعمال سے مانع ہے. اور جیسا کہ میں نے پہلے ہی اس بات کی جانب اشارہ کیا تھا کہ یہ حضرات اپنے ہی جیسے لوگوں کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں اور اپنی کائنات سے باہر نہیں نکل سکتے لہذا اس نقد و جرح کے سلسلے میں بھی ان کا ماخذ و مرجع ایک ایسے صاحب ہیں جن کے علمی حسب و نسب کا کوئی پتہ نہیں ہے. کوئی حکیم نیاز احمد صاحب ہیں جنکی کتاب "روایت افک" ہے. اب وہ کتاب تو ہماری نظر سے گزری نہیں کہ ہم آپ کو بتاتے کہ انھوں نے اس میں کیا کیا گل کھلائے ہیں. مگر : خط کا مضموں بھانپ لیتے ہیں لفافہ دیکھ کر.

پیر زادہ صاحب کے نقل کردہ ہفوات و خزعبلات ہی اس کتاب کی قدر و قیمت متعین کرنے کے لئے کافی ہیں اور اگر کبھی فرصت ملی اور ہم ان کی گمراہ کن کتاب دعوۃ القرآن کی طرف انشاءاللہ متوجہ ہوئے تو آپ کی تفریح طبع کا بہت کچھ سامان فراہم کرسکیں گے جو من المضحکات المبکیات ہیں.

امام زہری رحمہ اللہ ان عباقرۂ روزگار اور جہابذۂ فن شخصیتوں میں سے ہیں کہ ہر طالب حدیث ان کی عظمتوں کو سلام کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، اور امت مسلمہ پر ان کا اس قدر احسان ہے کہ تا قیامت ان کے احسان کے اس بوجھ کو اتارا نہیں جاسکتا اس لئے کہ ان کے نبی فداہ اروا حنا ﷺ کی احادیث مبارکہ کے ایک بڑے ذخیرے کے سلسلے میں امت انھیں کی مرہون منت ہے. اور ان کے اخلاق حسنہ، ان کی

سخاوت، ان کی قوت حفظ و فہم، علم حدیث کے سلسلے میں ان کی حد سے بڑھی ہوئی رغبت و حرص، جانفشانی وشب بیداری، اپنے اساتذہ کی بے لوث خدمات اور چھوٹے بڑے کا لحاظ کئے بغیر ہر ایک سے علمی استفادہ، اور علم حدیث میں مشغول ہونے کے وقت دنیاومافیھا کو بھول جانا یہاں تک کہ ان کی بیوی یہ کہنے لگتی کہ واللہ ان کی کتابیں میرے اوپر تین سوکنوں سے زیادہ بھاری ہیں، ان کی امانت داری وثقاہت اور ان کا اتقان ان تمام خوبیوں نے مل کر علمائے فن کے نزدیک ہی نہیں بلکہ عام امت کے نزدیک ان کی قدر ومنزلت کو کس قدر بڑھادیا تھا اس کا اندازہ تراجم رجال کی کتابوں اور تذکرہ نگاروں کے بیانات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے. ان کی جلالت علمی اور فن حدیث میں ان کی امامت کا اعتراف چھوٹے بڑے سبھی ائمہ ومحدثین نے کیا ہے.

حافظ بن حجرؒ نے تقریب میں ان کے بارے میں لکھا ہے : " **الفقيه الحافظ متفق على جلالته واتقانه** ". فقیہ وحافظ ہیں ان کی جلالت علمی اور اتقان پر علمائے فن کا اتفاق ہے .

علامہ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں فرمایا : " **وهو علم الحفاظ الإمام الحافظ الحجة** ".

وہ حفاظ (حدیث) کے سردار ہیں امام حافظ اور حجت ہیں.

ابن ابی حاتمؒ فرماتے ہیں : " ابوزرعہؒ سے پوچھا گیا کہ کون سی سند سب سے زیادہ صحیح ہے، توانھوں نے فرمایا کہ یہ چار سندیں ہیں ان میں سے پہلی زہری بواسطہ سالم ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں.

امام احمدؒ نے فرمایا : " زہری حدیث کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے اچھے ہیں اور سند کے اعتبار سے سب سے عمدہ ہیں ".

غرضیکہ تمام ائمہ فن نے ان کی عظمت کا اعتراف کیا ہے اور کچھ لوگوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ " **لولا ابن شهاب لذهب كثير من السنة** ". اگر ابن شہاب نہ ہوتے تو بہت سے سنتیں لوگوں کو معلوم ہی نہ ہوتیں. (تفصیل کے لئے **السنة ومكانتها في التشريع الإسلامي** ملاحظہ فرمائیں)

یہی وجہ ہے کہ ذخیرۂ سنت پر حملہ کرنے والے ناپاک لوگوں نے امام زہری رحمہ اللہ کو خاص طور سے نشانا بنایا ہے . ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی نے ان کے بارے میں مذکورہ ائمہ کے اقوال نقل کرنے کے بعد لکھا ہے : " یہ مقام ہے امام زہری کا اور ان کے بارے میں علمائے مسلمین کی یہ رائیں ہیں ،ان میں سے

زہری کو کسی نے اس چیز سے متہم نہیں کیا جس کا وقوع ان سے نہیں ہوا ہے اور ان میں سے کسی سے ان کی امانت، ثقاہت اور دین میں کوئی تشکیک منقول نہیں ہے اور ہم دنیا میں کسی ایک کو بھی نہیں جانتے جس نے زہری کو اس متعصب یہودی گولڈ زیہر سے پہلے حدیث کے متعلق ان کے صدق وامانت کے سلسلے میں متہم کیا ہو............ ". (السنۃ ص : ۲۱۳) .

یہ پیرزادہ صاحب یہاں علمائے اسلام کی نہیں یہودیوں کی روش پر چل رہے ہیں اور امام زہری کے خلاف بے جا شکوک وشبہات ابھار کر انھوں نے اپنی زندگی کی کتاب میں ایک اور ظلمت کا اضافہ کر لیا ہے. مگر یہ یاد رکھیں کہ آپ حضرات کی یہ نامراد کاوشیں کبھی بار آور نہیں ہو سکتیں. چاند کا تھوکا منہ پر آتا ہے.

ما يضر البحر امسى زاخرا

أن رمى فيه غلام بحجر

سمندر جب اپنے شباب پر ہو اور کوئی چھوکرا اس میں کوئی پتھر پھینک دے تو سمندر کا کیا بگڑے گا .

آپ لاکھ کوشش کریں مگر امام زہری کی عظمت ہمیشہ آپ کا منہ چڑاتی رہے گی .

ثهلان ذو الهضبات لا يتحلحل .

جرح کے سلسلے میں کچھ اصولی قسم کے اشارات گزر چکے ہیں اس موقعہ پر بھی ارادہ ہو رہا تھا کہ انھوں نے جن جن رواۃ کے سلسلے میں محدثین کی جرح نقل کی ہے ان تمام کے سلسلے میں تفصیلی جائزہ لیا جائے مگر وہاں بھی قلم کو روک لینا پڑا اور یہاں بھی اس موضوع پر تفصیلی بحث کرنے پر طبیعت کی آمادگی کے باوجود خود پر جبر کرنا پڑ رہا ہے ویسے آگے چل کر ہشام بن عروۃؒ کی تدلیس کے متعلق تفصیلات ملاحظہ فرمانے کے بعد آپ اس بات کا اندازہ ضرور لگالیں گے کہ یہ حضرات اپنے مقصد کے حصول کے لئے کس طرح بے وقعت اور بودی دلیلوں کا سہارا لیتے ہیں اور کیسی کمزور حجت کو آڑ بنا کر بڑے بڑے ائمہ پر خشت زنی کرتے ہیں.

رہی بات بداہت کی تو پھر وہی سوال اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ آیا یہ بداہت آپ ہی حضرات کو کیوں نظر آتی ہے؟ صحابہ سے لے کر موجودہ زمانے کے ناقدین فن اور محققین تک یہ چیز کسی اور کو کیوں دکھائی نہیں دیتی؟ کیا وہ سب کے سب اس قدر غفلت اور سادہ لوحی کا شکار رہے ہیں کہ اتنی واضح چیزیں بھی انھیں

معلوم نہیں پڑتیں ؟یا پھر وہ سب کے سب قرآن وسنت کے اصولوں سے مجرمانہ چشم پوشی کے مرتکب رہے ہیں اور نبی کی عصمت، صحابہ کی عظمت اور مومنوں کے کردار سے متعلق بے احتیاطی اور لا مبالاۃ کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں ۔ اور اللہ تعالی نے ان سب کو راہ حق سے بھٹکادیا؟اور ان اصولوں کا پاس رکھنے، نبی کی عصمت اور صحابہ کی عظمت کا دفاع کرنے کے لئے ایسے لوگوں کو منتخب فرمایا جو اپنی وضع قطع، طرز معاشرت، بود و باش ، کج فہمی اور عناد میں اعدائے رسول کی نمائندگی کرتے نظر آتے ہیں اور اسلامی احکامات ورسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے اندر مغز اور چھلکا کی ظالمانہ تقسیم کرتے ہیں اور بڑی سی بڑی بدعت سے فروعی مسائل کہہ کر اپنی جان چھڑا لیتے ہیں اور ان پر قطعی کوئی نکیر نہیں کرتے ہیں ؟اور جہاں کسی سنت رسول نے ان کے کسی طرز عمل پر قدغن لگائی جھٹ اس کے ظنی ہونے کا فرمان صادر کرکے اپنا دامن بچا لیتے ہیں ؟ اور اپنے خود ساختہ اصولوں کے ذریعہ جس طرح چاہتے ہیں احادیث رسول ﷺ کا قتل عام کرتے ہیں ۔ !!! ایک معما ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا ۔

اب تک کی ساری طول کلامی اور دنیا بھر کی تلبیس کا جو مقصد تھا اب وہ بالکل ننگے طور پر آپ کے سامنے ہے، پیرزادہ فرماتے ہیں :"مثال کے طور پر نبی ﷺ پر جادو کے اثر کی حدیث جو بخاری میں بیان ہوئی ہے ۔ جبکہ قرآن کفار کے اس الزام کی تردید کرتا ہے کہ نبی ﷺ پر جادو کا یا جنون کا اثر ہوا ہے- بشر ہونے کے باوجود جس طرح آپ جنون میں مبتلا نہیں ہو سکتے اسی طرح آپ پر جادو کا اثر بھی نہیں ہو سکتا تھا اس لئے آپ پر جادو کے اثر والی روایت نا قابل یقین ہے اور کسی بحث میں پڑے بغیر اس کی تردید کی جانی چاہیئے ۔

پھر اس کے بعد موصوف نے کچھ اور حدیثیں بھی ذکر کی ہیں جو بخاری یا مسلم کی ہیں ۔ میں انشاءاللہ ان تمام اعتراضات کا تفصیلی جائزہ آپ کی خدمت میں پیش کروں گا ۔ مگر پہلے آپ اس بات پر غور فرمائیں کہ موصوف نے بالخصوص بخاری اور مسلم ہی کی حدیثوں کو کیوں نشانہ بنایا ہے ؟؟؟ ۔

اس لئے کہ پوری امت کا کتاب اللہ کے بعد سب سے زیادہ اعتماد انھیں دو کتابوں پر ہے اور ان دونوں کتابوں پر اگر کچھ لوگوں کا اعتماد متزلزل کرنے میں کامیابی مل جاتی ہے تو پھر آگے کا مرحلہ بہت

آسان اور راستہ بالکل صاف ہو جائے گا پھر جس کتاب پر چاہیں اپنا پسندیدہ حکم لگایا جاسکتا ہے. مسلمانوں کی سب سے زیادہ معتبر کتابوں پر سے بھی اگر اعتماد اٹھ جائے گا تو پھر کون ہمارا راستہ روکنے کی کوشش کر سکتا ہے. پھر تو ہمیں کھل کھیلنے کا پورا پورا موقعہ حاصل ہو جائے گا. یہی اغراض و مقاصد ہیں جن کے لئے کچھ لوگ مسلسل کوششیں کئے جارہے ہیں. اور اس سلسلے میں انھیں کسی دلیل اور ضابطے کی بھی حاجت نہیں ہے اس لئے کہ ان حضرات کے پاس شیطانی قسم کے شبہات کا ایک انبار ہے جو لامتناہی نظر آتا ہے اور جنھیں یہ دلائل کے باوثوق نام سے پیش کرتے ہیں. اور ان میں کا ہر بڑا چھوٹے کو ان کی تلقین کرتا رہتا ہے.

﴿ شياطين الإنس والجن يوحي بعضهم إلى بعض زخرف القول غرورا ﴾ (الانعام: ١١٢)

کچھ آدمی اور کچھ جن، جن میں سے بعض بعض کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے تاکہ ان کو دھوکہ میں ڈال دیں.

قرآن پاک نے ان کے شبہات کا بڑا دقیق وصف بیان فرمایا ہے "زخرف القول غرورا" چکنی چپڑی باتوں کے ذریعہ دھوکہ دینا. اور یہ وصف ان حضرات پر کیسا چسپاں ہوتا ہے.

دیکھئے موصوف تمام حدیثوں کے خلاف اپنے دل کی پوری بھڑاس نکالنے بعد کس طرح لیپاپوتی فرماتے ہیں: "صحیح بخاری اور صحیح مسلم پر اس تنقید کا ہرگز یہ منشاء نہیں کہ ان کتابوں کی وقعت گھٹا دی جائے - ان محدثین نے صحیح احادیث کو جمع کرنے کی جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں ان کے لئے پوری امت ان کی مرہون منت ہے اور ان کتابوں سے بھرپور استفادہ کیا جارہا ہے اور کیا جانا چاہیئے."

(ص: ۲۳،۲۴)

دیکھا کتنے ہمدرد ہیں ؟ ہمدردی میں ہلکان ہوئے جارہے ہیں بیچارے آہ آہ !!!

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا ☆ لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

بھلا اس سے بڑھ کر بھی وقعت گھٹانے کی کوئی صورت ہو سکتی ہے کہ اس پورے ذخیرے کی ثقاہت کو احتمال زید و بکر کا مشق ستم بنایا گیا؟! اور ان کے ہاتھوں میں انار کی کا ایسا ضابطہ تھمادیا گیا کہ ہرا یرو غیر و نتھو خیر و بداہت و عقل اور اپنی بیمار فہم کے مطابق قرآن کی تصریحات سے ٹکرانے اور معارض ہونے کا

سہارا لے کر جس حدیث کا چاہے انکار کر دے اور : رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی
کا مزہ لوٹ رہا ہے !واہ رے کرم فرما کوئی حد ہے تیری کرم فرمائی کی ؟ اسی کو کہتے ہیں چوری اور سینہ
زوری .

اور پھر چلتے چلتے بھی دولتی جھاڑنے سے باز نہیں آتے، فرماتے ہیں :

" بخاری اور مسلم نے حدیث کے ذخیرہ میں سے صحیح حدیثیں چھانٹنے کی انتھک کوششیں کیں لیکن ان سے کوتاہیاں ہوئیں اور کچھ نقائص رہ گئے لہذا یہ کہنا کہ صحیحین کی حدیثوں پر اجماع ہے اور ان کی کسی حدیث پر تنقید نہیں کی جا سکتی سراسر غلط دعوی ہے - اول تو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی تدوین عہد رسالت کے دو سو سال بعد ہوئی ہے اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرون اولی میں حدیث کی کس کتاب پر اجماع تھا؟ پھر بخاری اور مسلم پر محدثین اور علماء نے تنقید بھی کی ہے مثلاً امام دار قطنی نے بخاری اور مسلم کی ایک سو سے زائد حدیثوں میں علت بیان کی ہے جس کا جواب اگرچہ علامہ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں دیا ہے لیکن اس سے یہ تو ثابت ہوا کہ صحیح بخاری تنقید سے بالاتر نہیں ہے - امام سیوطی فرماتے ہیں . " صحیح مسلم میں ایسی حدیثیں بھی موجود ہیں جن کے بعض راوی مبہم ہیں اور ان سے بعض حدیثیں منقطع ہیں ". (ص :۲۴) .

دیکھ رہے ہیں نہ آپ کیسی بے چینی اور کتنا اضطراب ہے پلٹ پلٹ کر اور پانی پی پی کر کوشش کی جارہی ہے. بہر کیف ! دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے؟

موصوف کی مذکورہ عبارت سے مندرجہ ذیل شبہات سامنے آتے ہیں .

(۱) بخاری و مسلم کی انتھک کوششوں کے باوجود ان کی کتابوں میں کوتاہیاں اور نقائص ہیں .

(۲) قرون اولی میں کسی کتاب پر اجماع نہیں تھا اور بخاری و مسلم تو عہد رسالت کے دو سو سال بعد لکھی گئیں لہذا ان کی تمام حدیثوں پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا .

(۳) بعض لوگوں نے ان کتابوں پر تنقیدیں کی ہیں لہذا پیرزادہ صاحب اور ان جیسے لوگوں کو بھی نقد کا موقعہ ملنا چاہئے.

(۴) علامہ سیوطی کے مطابق بالخصوص مسلم میں منقطع روایتیں پائی جاتی ہیں اور اس کتاب کے بعض

شبہات کا جائزہ

آیئے ہم پہلے ترتیب وار ان تمام شبہات کا ایک سرسری جائزہ لیتے ہیں پھر بخاری و مسلم کی احادیث کے متعلق تفصیلی طور پر کچھ اصولی باتیں آپ کی خدمت میں پیش کریں گے جو آپ کے لئے انشاءاللہ ہمیشہ مشعل راہ کا کام انجام دیں گی اور ان کے ذریعہ آپ کو ان مدعیان علم و تحقیق کی وسعت معلومات کا بھی اندازہ ہو جائے گا .

(۱) ان کوتاہیوں اور نقائص کے بارے میں موصوف نے یہ نہیں بتایا کہ آیا ان کی اثراندازی اس حد تک ہے کہ ان کی وجہ سے ان دونوں کتابوں کی مرفوع و متصل حدیثیں بھی بلااستثناء مشکوک قرار پاتی ہیں یا ان کا دائرۂ اثر کچھ خاص چیزوں تک محدود ہے نیز ان نقائص کی تعیین کا کوئی ضابطہ بھی ہے یا محض ہر انسان اپنی رائے سے جسے نقص قرار دے دے اسے کوتاہی اور نقص تسلیم کر لیا جائے گا .؟

(۲) یہ ضابطہ انھوں نے نہ جانے کہاں سے اخذ کیا ہے کہ کسی حدیث کی قبولیت کے لئے یہ شرط ہو کہ وہ کسی مدون کتاب میں پائی جائے مزید یہ کہ اس کتاب پر خیر القرون میں اجماع منعقد ہوا ہو . اور کسی کتاب کے معتبر اور لائق اعتماد ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ عہد رسالت میں لکھی گئی ہو . اور اگر خیر القرون میں کسی کتاب پر اجماع نہیں ہوا تو لازمی طور پر اس کے بعد کسی کتاب پر اجماع نہیں ہو سکتا اور اگر ہوا بھی تو اس کو مشکوک سمجھا جائے گا . کیا کوئی معمولی سی بھی دینی اور اصولی سوجھ بوجھ رکھنے والا انسان اس طرح کی باتیں کر سکتا ہے ؟ ایسے لوگوں کے جواب میں ہم وہی کہتے ہیں جو انھیں جیسے محقق ابوریہ کے جواب میں ایک صاحب حدیث شیخ عبدالرزاق حمزہؒ نے فرمایا تھا :

" يقال له : يا أيها الجاهل بتاريخ الإسلام وأهله ،إن احاديث خير القرون هي التى رواها البخارى وغيره من كتب الحديث ، وليس للبخارى وغيره فيها غير التبويب والترتيب ، فالبخارى وغيره لم يخترعوا شيئا لا يعرفه خير القرون ، وإنما تلقوا عن شيوخهم ما رواه خير القرون عن أولهم صحابة النبى ﷺ ، فليس في البخارى وغيره شيئ لا يعرفه خير

القرون . (ظلمات أبي رية : ص : ۳۱۸) .
اس سے کہا جائے گا : اے تاریخ اسلام اور اہل اسلام سے جاہل ! یہ خیر القرون ہی کی حدیثیں ہیں جنھیں بخاری وغیرہ نے کتب حدیث میں روایت کیا ہے، اور بخاری وغیرہ نے تو ان میں اپنی طرف سے صرف تبویب وترتیب کا کام کیا ہے، بخاری وغیرہ نے کوئی ایسی چیز ایجاد نہیں فرمائی ہے جو خیر القرون میں غیر معروف تھی، انھوں نے تو بس خیر القرون کی روایت کردہ احادیث کو اپنے شیوخ سے حاصل کر لیا ہے اور ان کے پہلے راوی نبی ﷺ کے صحابہ ہیں لہذا بخاری وغیرہ میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے خیر القرون کے لوگ نہیں جانتے تھے .
آگے انشاء اللہ مزید تفصیل آرہی ہے کہ بخاری ومسلم نے اپنی کتابوں میں صرف انھیں احادیث کو ذکر فرمایا ہے جن کی صحت پر دور صحابہ سے ان کے زمانوں تک اتفاق رہا ہے .
(۳) کتاب اللہ پر بھی بہت سے لوگوں نے نقد کیا ہے تو کیا ان کا نقد کرنا اس بات کی دلیل بن سکتا ہے کہ قرآن پاک بھی نقد سے بالا نہیں ہے. آخر کسی کتاب پر کسی کے نقد کر دینے کا لازمی مطلب یہ تو نہیں ہو تا کہ یقینی طور پر وہ کتاب مشکوک ہو جائے اور اسی کو دلیل بنا کر ہر کس وناکس اسے اپنا تختہ مشق بنانے لگے امام دار قطنی کا سہارا لیکر موصوف نے جو عجیب وغریب اصول تراشی کی ہے اسے پڑھ کر مجھے اسی طرح کا ایک نادر استدلال یاد آیا. ایک مرتبہ میرے چھوٹے لڑکے نے بڑے لڑکے کو اس کے نام سے پکارا میں نے اس سے کہا بیٹے تم اس کا نام لے کر نہ پکارو بلکہ بھائی جان کہو تو جانتے ہیں اس نے کون سی حجت پیش کی ؟ آپ بھی تو اس کا نام لے کر پکارتے ہیں آپ بھائی جان کہہ کر تو نہیں بلاتے. کیا بالکل اسی طرح کا استدلال یہاں پیر زادہ صاحب نے نہیں فرمایا ہے ؟ آپ ہی بتایئے کہ امام دار قطنی اگر کوئی نقد فرماتے ہیں تو کیا اس کا انداز بھی وہی ہوتا ہیں جو ان متجددین کا ہوتا ہے ؟ کیا پیر زادہ صاحب کا امام دار قطنی کے مقابل کھڑے ہونا راجہ بھوج اور گنگوا تیلی کی یاد نہیں دلاتا ؟ . پھر امام دار قطنی کے نقد کر دینے کا یہ مطلب آخر کہاں سے نکلتا ہے کہ وہ صد فیصد حق پر ہونگے اور ان سے کسی طرح کی غلط فہمی کا صدور نہیں ہو سکتا ہے ؟ آپ نے خود اعتراف فرمایا ہے کہ حافظ بن حجر نے اس کا جواب دیا ہے. اگر تھوڑی سی زحمت اٹھا کر ان جوابات کی تفصیل ملاحظہ فرمالی ہوتی تو آپ کا کیا بگڑتا؟ اس سے آپ کو

اگر انصاف کا کوئی شائبہ آپ کے یہاں باقی رہ گیا ہو تو اندازہ ہو جاتا کہ کون حق بجانب ہے اور کون غلطی پر ہے. مگر آپ حضرات کا مقصد تو کچھ اور ہی ہے.

(۴) ایسا کیجئے کہ آپ علامہ سیوطی کی نمائندگی کرتے ہوئے ان منقطع روایتوں اور مبہم رواۃ کی نشاندہی کا بیڑا اٹھالیں پھر ہم آپ کو آئینہ دکھانے کی کوشش ضرور کریں گے. اور اس وقت یہ ہوگا کہ

آئینہ دیکھ اپنا سامنہ لے کے رہ گئے
صاحب کو دل نہ دینے کا کتنا غرور تھا

بخاری و مسلم کی احادیث کا درجہ اساطین فن کی نظر میں

بخاری اور مسلم کی بیشتر حدیثیں بھی چونکہ خبر واحد کے ضمن میں آتی ہیں لہذا سب سے پہلے ہم مختصر طور پر خبر واحد کے سلسلے میں کچھ ضابطے آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں :

خبر واحد کی تعریف : بعض لوگ خبر واحد کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ خبر واحد وہ حدیث ہے جسے ایک ہی شخص نے روایت کیا ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے یہ محدثین کی ایک خاص اصطلاح ہے اور اس کا اطلاق ہر اس حدیث پر ہوتا ہے جو متواتر نہ ہو خواہ اسے ایک جماعت نے روایت کیا ہو اور متواتر اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے رواۃ کی تعداد اس حد تک پہنچ جائے کہ مشاہدے کے وقت ان کا جھوٹ پر متفق ہونا عادۃ محال ہو . (دیکھئے الكفاية في علم الرواية ص: ١٦) .

معلوم ہوا کہ خبر واحد کبھی ایک شخص سے مروی ہوتی ہے اور کبھی متعدد لوگوں سے .

خبر واحد کا درجہ: قبول ورد کے اعتبار سے خبر واحد کے مختلف درجات ہیں. امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں : " خبر واحد کا اعتبار دلائل کی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے. کبھی تو اس کے جھوٹ پر دلیل قائم ہونے کے سبب اس کے جھوٹ کا فیصلہ دے دیا جاتا ہے اور کبھی اس کے جھوٹ پر ظنی

دلیل ہونے کے سبب اس کے جھوٹ کا ظن ہوتا ہے اور کبھی صدق وکذب کسی پر دلیل نہ ہونے کے سبب اس کے متعلق توقف کیا جاتا ہے اور صدق وکذب کسی پہلو کو ترجیح نہیں دی جاتی. اور کبھی اس کا صدق راجح ہوتا ہے مگر اس میں قطعیت نہیں ہوتی اور کبھی کبھی یقینی طور پر اس کے صدق کا فیصلہ دیا جاتا ہے اور اس میں کسی طرح کا شک باقی نہیں رہ جاتا. تو ہر ایک کی خبر نہ تو علم کا فائدہ دیتی ہے نہ ہی ظن کا اور نہ ہی خبر واحد سے مطلق طور پر اس بات کی نفی کرنی جائز ہے کہ اس سے علم حاصل ہوتا ہے.........

(مختصر الصواعق المرسلة ج ٢ ص : ٤٧٣).

ظن کا مطلب

بعض لوگ ظن کا مطلب شک سمجھتے ہیں اور احادیث کو ظنی کہہ کر رد کر دیتے ہیں اس لئے ظن کا معنی خوب اچھی طرح سمجھ لینے کی ضرورت ہے.

الظن لغة يستعمل في معنى الشك : وهو التردد بين النقيضين بلا ترجيح لأحدهما على الآخر عند الشاك . (التعريفات للجرجاني ص : ٦٨) .

لغت کے اعتبار سے ظن شک کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور شک کہتے ہیں شک کرنے والے کا نقیضین (مثلاً ہاں اور نہیں) کے درمیان بلا ترجیح کے متردد ہونا .

اور ظن کا استعمال یقین کے معنی میں بھی ہوتا ہے. ابن منظور نے فرمایا : **" الظن شك ويقين ، إلا أنه ليس بيقين عيان ، إنما هو تدبر " . (لسان العرب : ١٣ / ٢٧٢) .**

ظن شک اور یقین دونوں معنی میں آتا ہے مگر یہ یقین عینی نہیں استدلالی ہوتا ہے.

زبیدی فرماتے ہیں : **" الظن هو التردد الراجح بين طرفي الاعتقاد الغير الجازم . ونقل عن المناوى أنه قال : الظن الاعتقاد الراجح مع احتمال النقيض ويستعمل في اليقين والشك ". (تاج العروس : ٩ / ٢٧١) .**

غیر قطعی اعتقاد کے دونوں گوشوں کے درمیان راجح تردد کا نام ظن ہے . اور مناوی سے نقل فرمایا ہے کہ ظن نقیض کے احتمال کے ساتھ راجح اعتقاد کا نام ہے . اور یقین و شک دونوں معنوں میں مستعمل ہے اور یہی آخری معنی جو زبیدی اور مناوی نے بیان فرمایا ہے اصولیوں کی اصطلاح میں مستقر ہو چکا ہے .

آمدی نے فرمایا : " الظن ترجيح أحد الاحتمالين الممكنين على الآخر في النفس من غير قطع . (الأحكام للآمدی : ١ / ٢٢٣) .

نفس کے اندر ایک دوسرے کے خلاف دو ممکن احتمالوں میں سے ایک کو بغیر قطعیت کے ترجیح دینا .

اور عبد العزیز بخاری فرماتے ہیں : " الظن ما كان جانب الثبوت فيه راجحا ويسمى غالب الرأى " . (كشف الأسرار : ٢ / ٣٨٩) .

ظن وہ ہے جس میں ثبوت کا پہلو راجح ہو اور اسے رائے غالب سے موسوم کیا جاتا ہے .

قرطبی فرماتے ہیں : " الظن الشرعي هو تغليب أحد الجانبين ، أو هو بمعنى اليقين " .

دو پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو کے غالب کرنے کو ظن کہتے ہیں یا یہ کہ وہ یقین ہی کے معنی میں ہے .

(فتح الباری : ١٠ / ٤٨١ - ظن کے متعلق جملہ تفصیلات احادیث الصحیحین بین الظن والیقین للحافظ ثناء اللہ الزاھدی سے ماخوذ ہیں) .

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ لغوی اعتبار سے ظن یقین اور شک دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے اور محدثین کی اصطلاح میں ظن تقریبا یقین ہی کے معنی میں مستعمل ہے . لہٰذا محدثین جب کسی حدیث کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ ظنی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس میں شک پایا جاتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث قابل قبول ، حجت اور واجب العمل ہے .

خبر واحد حجت ہے

علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں : " أجمع أهل العلم والأثر في جميع الأمصار فيما علمت على قبول خبر الواحد العدل وايجاب العمل به إلا الخوارج وطوائف من أهل

البدع . مزید فرمایا : وكلهم يدين بخبر الواحد العدل في الاعتقادات ، ويجعلها شرعا ، ودينا في معتقده على ذلك جماعة اهل السنة " . (التمهيد ۱ / ۸۰۳ بحواله احاديث الصحيحين ص : ۱۷) .

میرے علم کے مطابق ایک عادل کی خبر کی قبولیت اور اس پر عمل کے واجب ہونے کے سلسلے میں سوائے خوارج اور چند بدعتی جماعتوں کے تمام ممالک کے سارے اہل علم اور اہل اثر کا اجماع ہے.

اعتقادات کے سلسلے میں ایک عادل کی خبر کا سب لوگ یقین رکھتے ہیں اور اسی کو اپنے اعتقاد کے متعلق دین اور شریعت گردانتے ہیں، جماعت اہل سنت کا یہی عقیدہ ہے .

اور ابو یعلی الفراء فرماتے ہیں : " الظن طريق للحكم إذا كان عن أمارة مقتضية للظن ، ولهذا يجب العمل بخبر الواحد إذا كان ثقة ، ويجب العمل بشهادة الشاهدين ".

(العدة في أصول الفقه ۱ / ۸۳ حواله مذكور ص : ۱۷) .

ظن حکم کا ایک طریقہ ہے جبکہ ایسی علامات کے ذریعہ ہو جو ظن کا اقتضاء کرتی ہیں، اسی لئے خبر واحد پر اگر وہ ثقہ ہو عمل کرنا واجب ہے اور دو گواہوں کی شہادت پر عمل کرنا واجب ہے .

مذکورہ بالا بیانات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ خبر واحد اگر عادل اور ثقہ راویوں سے منقول ہو اور حدیث میں محدثین کے یہاں معتبر ضعف کا کوئی سبب اس میں نہ پایا جاتا ہو تو واجب العمل اور حجت ہوگی یہ تو اس روایت کا معاملہ ہے جس میں دیگر قرائن نہ پائے جاتے ہوں اور اس کی حیثیت ظنی ہو .

خبر واحد یقینی بھی ہوتی ہے اور اس سے علم حاصل ہوتا ہے

خبر واحد اگر محتف بالقرائن ہو اور اس میں صدق کے قرینے (جو بہت سے ہیں) پائے جاتے ہوں تو پھر وہ محض ظنی نہیں رہ جاتی بلکہ اسے یقین اور علم کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے. حافظ ابن قیم رحمہ اللہ اپنے استاد شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں : " وأما القسم الثاني من الأخبار فهو مالا يرويه إلا الواحد العدل ونحوه ولم يتواتر لفظه ولا معناه ولكن تلقته الأمة

بالقبول عملا به أو تصديقا له كخبر عمر بن الخطاب إنما الأعمال بالنيات
..................وامثال ذلك . فهدا يفيد العلم اليقيني عند جماهير أمة محمد ﷺ من
الأولين والآخرين ....

احبار کی دوسری قسم وہ ہے جسے صرف ایک عادل شخص نے روایت کیا ہو اور وہ نہ تو لفظا متواتر ہو نہ معنیً مگر امت نے اسے قبول کیا ہو خواہ اس پر عمل کر کے خواہ اس کی تصدیق کر کے جیسے عمرؓ بن خطاب کی خبر إنما الاعمال بالنیات .... اور اسی طرح کی خبریں تو یہ محمد ﷺ کی امت کے اولین و آخرین میں سے جمہور اہل علم کے نزدیک علم یقینی کا فائدہ دیتی ہیں. سلف کے درمیان تو اس میں کوئی اختلاف ہی نہیں تھا اور خلف میں ائمہ اربعہ کے اصحاب میں سے بڑے فقہاء کا یہی مذہب ہے. حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ مثلا حنفیہ میں سرخسی اور ابو بکر رازی اور شافعیہ میں ابو حامد ابو الطیب اور شیخ ابو اسحاق اور مالکیہ میں ابن خویز منداد وغیرہ اور حنابلہ میں قاضی ابو یعلی، ابن ابی موسی اور ابو الخطاب وغیرہ اور متکلمین میں سے ابو اسحٰق اسفرائینی، ابن فورک ، ابو اسحٰق نظام کی کتابوں میں یہ مسئلہ منقول ہے.

اس سلسلے میں اختلاف تو ایک ٹکڑی نے کیا ہے جیسے ابن الباقلانی اور ان کے متبعین ابو المعالی، غزالی اور ابن عقیل جیسے لوگوں نے. ابو عمرو بن الصلاح نے پہلے قول (یعنی خبر واحد کی یقینی حیثیت) کو ذکر کیا ہے، اس کی تصحیح فرمائی ہے اور اسی کو اختیار کیا ہے، مگر انھیں اس مذہب کے کثرت قائلین کا پتہ نہیں تھا کہ ان کے ذریعہ تقویت حاصل کرتے، انھوں نے تو یہ بات صحیح حجت کی بنا پر فرمائی ہے اور علم دین رکھنے والے جن مشائخ نے ان پر اعتراض کیا ہے انھیں اس باب میں پوری معلومات نہیں تھیں. انھوں نے کہا کہ شیخ ابو عمرو اپنے اس قول میں جمہور سے منفرد تھے، ان (اعتراض کرنے والوں) کا عذر یہ ہے کہ ان مسائل میں ان کا مرجع ابن حاجب کا کلام ہے اگر ایک درجہ بلند ہوئے تو سیف آمدی اور ابن الخطیب تک پہنچے اور اگر ان کی سند کچھ اور بلند ہوئی تو غزالی جوینی اور باقلانی تک پہنچ جاتے ہیں.

(مختصر الصواعق المرسلة ج ٢ ص : ٣٨٢) .

مذکورہ بالا عبارت میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ خبر واحد کو اگر امت کا تلقی بالقبول حاصل ہو جائے تو اوائل اور اواخر میں سے بیشتر علمائے امت کے نزدیک اس سے علم

ویقین حاصل ہوتا ہے اور اس میں شک کا کوئی احتمال باقی نہیں رہتا اور اس سلسلے میں اختلاف کرنے والے بہت تھوڑے لوگ ہیں جنھیں علم حدیث سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے اور اس فن میں ان کی معلومات کا دائرہ بہت ہی تنگ ہے اور جو لوگ ان کا ماخذ و مرجع ہیں وہ بجائے خود علم حدیث کے باب میں فقر و مسکنت کا شکار ہیں . امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ حال اپنے زمانے کا بیان فرمارہے ہیں جبکہ بڑے بڑے علمائے فن اور اعاظم رجال موجود تھے اگر وہ آج ہمارے زمانے کے لاف زنوں کو دیکھتے جو کسی مرض کی دوا نہیں ہیں اور جن کا مبلغ علم اردو اور انگریزی کی چند کتابوں کا مواد اور ماخذ و مرجع سر سید احمد خاں، مولانا شبلی نعمانی، مولانا مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحی ہیں اور بڑی بلند پروازی کا مظاہرہ فرمایا تو سید قطب اور محمد عبدہ تک جا پہنچے . تو نہ جانے کیا فرماتے . سبحان ذی الملک والملکوت .

آگے شیخ الاسلام رحمہ اللہ اس مسئلے کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں : " تمام اہلحدیث اسی مذہب پر ہیں جس کا ذکر شیخ ابو عمرو نے فرمایا ہے اور جمہور کے قول کی حجت یہ ہے کہ امت کا خبر کو تصدیق و عمل کے ذریعہ قبول کرنا ان کا اجماع ہے ، اور امت ضلالت (گمراہی) پر مجتمع نہیں ہوتی .... اسے یوں سمجھئے کہ خبر متواتر کے سلسلے میں اس کے راویوں میں سے ہر ایک کے متعلق تنہا تنہا کذب و خطا جائز ہے مگر مجموعے پر خطا کا جواز نہیں ہے . امت اپنی روایت اور رائی اور خواب کے سلسلے میں خطا سے معصوم ہے . جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا : " **أری رویاکم قد تواطأت علی أنها في العشر الأواخر ، فمن كان متحريها فليتحرها في السبع الأواخر** ".

میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب اس بات پر متفق ہو گئے ہیں کہ وہ (شب قدر) آخری عشرے میں ہے لہذا جو اسے تلاش کرنا چاہتا ہو تو اسے آخری سات راتوں میں تلاش کرے . چنانچہ انھوں نے خواب کے اتفاق کو اس کی صحت کی دلیل قرار دیا . ایسا ہو سکتا ہے کہ اس باب میں احاد اپنی شرائط کے اعتبار سے ظنی حیثیت کی ہوں مگر جب قوی ہو جاتی ہیں تو علم بن جاتی ہیں اور جب ضعیف ہوتی ہیں تو اوہام اور فاسد خیالات بن کر رہ جاتی ہیں . مزید فرماتے ہیں : یہ جائز نہیں ہے کہ وہ روایت نفس امر میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف جھوٹے طور پر منسوب ہو اور امت میں کوئی اس کا انکار کرنے والا نہ ہو اس لئے کہ یہ چیز ان کے متعلق اللہ تعالی کے بیان کردہ وصف کے خلاف ہے .

اگر یہ کہا جائے کہ ان کی طرف سے اس روایت کے صدق کا قطعی فیصلہ کرنا ممکن نہیں ، رہی بات عمل کی تو وہ ان پر واجب ہے اگرچہ باطن میں صحیح نہ ہو یہ باقلانی کا سوال ہے .

ہمارا جواب یہ ہے کہ جہاں تک اس کے صدق کا قطعی فیصلہ کرنے کی بات ہے تو کبھی کبھی اس کے ارد گرد ایسے قرائن موجود ہوتے ہیں جو علم کو واجب قرار دیتے ہیں کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ صرف تنہا قرائن ہی اپنے مضمون کے اعتبار سے علم کا فائدہ دیتے ہیں، تو جب وہ خبر کے ساتھ شامل ہو جائیں تو پھر ان کا کیا پوچھنا، اور مخالف نے اپنے کمزور اصول کی بنیاد اس پر رکھی ہے کہ مجرد خبروں سے علم صرف عدد کی جہت سے حاصل ہوتا ہے، تو اسے یہ کہنا لازم آتا ہے کہ جو اس عدد سے کم ہو وہ سرے سے فائدہ ہی نہیں دیتی، اور یہ غلط ہے اس میں تو اس کے ماہر پیرو کاروں نے اس کی مخالفت کی ہے . رہی عمل کی بات تو اگر یہ باطن میں جھوٹ ہو اور ہمیں اس پر عمل کرنا واجب ٹھیرے تو اجماع ایسی چیز پر منعقد ہوگا جو نفس امر میں خطا و کذب ہے؛ اور یہ باطل ہے............ (حوالہ مذکور ص : ۴۸۲-۴۸۳) .

مذکورہ بالا وضاحت سے مندرجہ ذیل حقائق سامنے آتے ہیں :

(۱) امت کا تلقی بالقبول گویا اجماع ہے اور امت کا اجماع ضلالت و خطا پر نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اللہ تعالی نے اسے اس بات سے محفوظ رکھا ہے .

(۲) ہر آدمی سے تنہا تنہا خطا کا احتمال و امکان ہے بلکہ ایک آدمی کے سلسلے میں جھوٹ کا امکان بھی ہو سکتا ہے مگر جب امت کسی حدیث کے قبول کرنے پر متفق ہو جائے تو پھر وہ حدیث ہر طرح کے احتمال سے محفوظ ہو جاتی ہے اور اس کی صحت یقینی ہو جاتی ہے .

(۳) اس کے یقینی ہونے کا صرف یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس پر عمل واجب ہے بلکہ حقیقت میں اس کی صحت مسلم اور ثابت ہوتی ہے اور وہ یقینی طور پر اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ یا جس کی طرف وہ منسوب ہوتی ہے اسی کا کلام ہوتی ہے . اور ہر طرح کے شک و شبہ سے بالاتر ہوتی ہے .

(۴) جس حدیث پر یا جس اصول پر علمائے فن کا اجماع ہو جائے اس کے متعلق اس فن سے نا آشنا یا اس کی پوری معلومات نہ رکھنے والوں کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا . اگرچہ وہ دوسرے فنون میں چاہے کتنی ہی مہارت کیوں نہ رکھتے ہوں . اس کی مزید وضاحت انشاءاللہ آگے آرہی ہے . اگر طوالت کا خوف

دامن گیر نہ ہوتا تو شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر علمائے فن کی تصریحات بھی اس موضوع سے متعلق کثرت سے پیش کی جاسکتی ہیں. مگر غیر جانبدارانہ فیصلہ کرنے والوں کے لئے اتنی ہی تصریحات کافی ہیں. رہے معاندین ومکابرین تو ان کے لئے تو ایک دفتر بھی بے سود ہے .

بخاری اور مسلم کی حدیثوں کا معیار

ابن قیم رحمہ اللہ اپنے شیخ سے ناقل ہیں، وہ فرماتے ہیں : " **واعلم أن جمهور أحاديث البخاري ومسلم من هذا الباب كما ذكره الشيخ أبو عمرو ومن قبله من العلماء كالحافظ أبي الطاهر السلفي وغيره فإن ما تلقاه أهل الحديث وعلماؤه بالقبول والتصديق فهو محصل للعلم مفيد لليقين ولا عبرة بمن عداهم من المتكلمين والأصوليين ؛** ....

معلوم ہو کہ بخاری ومسلم کی بیشتر حدیثیں اسی باب سے ہیں جیسا کہ شیخ ابو عمرو اور ان سے پہلے کے علماء جیسے حافظ ابو طاہر سلفی وغیرہ نے ذکر فرمایا ہے، کیونکہ جس روایت کو اہل حدیث اور علمائے حدیث نے قبول وتصدیق کے ذریعہ ہاتھوں ہاتھ لیا ہے وہ حصول علم کا ذریعہ اور مفید یقین ہے ؛ اور ان کے علاوہ متکلمین اور اصولیوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے. کیونکہ دینی امور میں سے کسی امر پر اجماع کے سلسلے میں اس فن کے علماء کا اعتبار ہوتا ہے دوسروں کا نہیں ؛ جس طرح احکام شرعیہ پر اجماع کے سلسلے میں متکلمین، نحویوں اور طبیبوں کے بجائے علمائے شریعت ہی کا اعتبار ہوتا ہے اسی طرح حدیث کے صدق وعدم صدق پر اجماع کے سلسلے میں حدیث اور اس کے طرق وعلل کا علم رکھنے والوں کے سوا کسی کا اعتبار نہیں ہوگا ؛ اور یہ علمائے اہل حدیث ہیں جو اپنے نبی کے احوال کو جاننے والے، ان کے اقوال وافعال کو محفوظ کرنے والے اور ان کا اس قدر اہتمام کرنے والے ہیں جو مقلدین کے اپنے پیشواؤں کے اقوال کے ساتھ اہتمام کرنے سے بہت زیادہ بڑھا ہوا ہے.

جس طرح تواتر کا علم خاص وعام میں تقسیم ہوتا ہے کہ خواص کے یہاں ایسی چیزیں متواتر ہوتی ہیں کہ غیروں کے یہاں ان کا متواتر ہونا تو دور کی بات ہے انھیں تو وہ چیزیں معلوم تک نہیں ہوتیں. اسی

طرح اہل حدیث کو اپنے نبی علیہ ﷺ کی سنت کے ساتھ اہتمام اور ان کے اقوال وافعال اور احوال کو محفوظ کرنے کے سبب ایسا علم حاصل ہو جاتا ہے جس میں انھیں کسی طرح کا شک نہیں ہوتا اور دوسروں کو ان چیزوں کا قطعی شعور تک نہیں ہوتا (ہیروں کی جوت والے اس پر غور کریں) چنانچہ ابو بکرؓ و عمر بن خطاب، معاذؓ بن جبل اور ابن مسعود اور ان جیسے لوگوں سے انھیں ایسا قطعی علم حاصل ہوتا ہے جو ان کے نزدیک یقینیات کی قسم میں شامل ہے اور جہمیہ و معتزلہ اور ان کے علاوہ اہل کلام کو کوئی علم نہیں حاصل ہوتا .... حاصل کلام یہ ہے کہ اکثر احادیث صحیحہ کے متعلق انھیں قطعی یقین حاصل ہے جبکہ غیروں کے یہاں اس کا کوئی علم ہی نہیں ہے۔ غرضیکہ اخبار کی یہ قسم جمہور عقلاء کے نزدیک موجب علم ہے۔ (مختصر الصواعق ج۲ ص: ۴۸۳-۴۸۴)۔

ابو اسحاق اسفرائنی متوفی ۴۱۸ھ اپنی کتاب اصول الفقہ میں فرماتے ہیں: " أهل الصنعة مجمعون على أن الأخبار التي اشتمل عليها " الصحيحان " مقطوع بصحة اصولها ومتونها، ولا يحصل الخلاف فيها بحال، وإن حصل فذاك اختلاف في طرقها ورواتها. قال: فمن خالف حكمه خبرا منها وليس له تأويل سائغ للخبر نقضنا حكمه؛ لأن هذه الأخبار تلقتها الأمة بالقبول". (احاديث الصحيحين ص: ۱۹ بحواله النكت على ابن الصلاح للزركشي ورقه / ۱۳ اور فتح المغيث للسخاوي ۱ / ۵۱).

اہل فن کا اس بات پر اجماع ہے کہ جن اخبار پر صحیحین مشتمل ہیں ان کے اصول و متون کی صحت قطعی ہے، اور اس میں مخالفت کا حصول کسی صورت نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اختلاف ہوا تو وہ اس کے طرق و رواۃ میں ہوگا۔ فرماتے ہیں: تو جس شخص کا حکم ان کی کسی خبر کے مخالف ہوگا اور خبر کی کوئی مناسب تاویل نہ ہو سکے گی تو ہم اس کے حکم کو رد کر دیں گے؛ اس لئے کہ ان کی خبروں کو امت کا تلقی بالقبول حاصل ہے۔

امام الحرمین جوینی متوفی ۴۷۸ھ فرماتے ہیں: " لو حلف الإنسان بطلاق امرأته أن ما في "

الصحيحين " مما حكما بصحته من قول النبی ﷺ لما ألزمته الطلاق ؛ لإجماع علماء المسلمين على صحته " . (تدریب الراوی ۱ / ۱۳۱ ، ۱۳۲ وشرح مسلم للنووی ۱ / ۱۹ حواله مذکور ص : ۱۹) .

اگر کوئی انسان اس بات پر اپنی بیوی کی طلاق کی قسم کھالے کہ صحیحین کی جن حدیثوں کے متعلق شیخین نے صحت کا حکم لگایا ہے وہ نبی ﷺ کا قول ہیں تو اس پر طلاق لازم نہیں آئے گی ؛ کیونکہ علمائے مسلمین کا اس کی صحت پر اجماع ہو چکا ہے.

حافظ ابن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۴ھ اختصار علوم الحدیث میں فرماتے ہیں : " ثم حکى أن الأمة تلقت هذين الكتابين بالقبول ، سوى احرف يسيرة انتقدها بعض الحفاظ ، كالدارقطني وغيره ثم استنبط من ذلك القطع بصحة ما فيهما من الأحاديث لأن الأمة معصومة عن الخطأ ، فيما ظنت صحته ووجب عليها العمل به لا بد وأن يكون صحيحا في نفس الأمر وهذا جيد .

وقد خالف في هذه المسئلة الشيخ محيى الدين النووی وقال : لا يستفاد القطع بالصحة من ذلك .

قلت وأنا مع ابن الصلاح فيما عول عليه وأرشد إليه . والله أعلم . (الباعث الحثيث : ٤٤)

پھر ابن صلاحؒ نے نقل فرمایا ہے کہ امت نے ان دونوں کتابوں کو قبول کر لیا ہے، سوائے چند حدیثوں کے کہ اس پر بعض حفاظ حدیث نے تنقید کی ہے، جیسے دار قطنی وغیرہ ہیں. پھر اس کی بنیاد پر ان دونوں کتابوں میں موجودہ احادیث کی صحت کی قطعیت کا استنباط فرمایا ہے. اس لئے کہ امت خطا سے معصوم ہے. لہٰذا وہ جس کو صحیح سمجھے اور اس پر عمل واجب قرار پائے تو وہ یقینی طور پر حقیقت میں بھی صحیح ہو گی اور یہ عمدہ بات ہے.

اور اس مسئلے میں شیخ محی الدین نووی نے اختلاف کیا ہے اور فرمایا کہ اس کی بنا پر صحت کی قطعیت کا فائدہ نہیں حاصل ہوتا.

میں (ابن کثیر) کہتا ہوں کہ (شیخ ابن صلاح) نے جس چیز پر اعتماد کیا ہے اور جس کی جانب رہنمائی فرمائی ہے میں اس مسئلے میں انھیں کے ساتھ ہوں.

حافظ بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ فرماتے ہیں : " **قد يقع في أخبار الأحاد ما يفيد العلم النظرى بالقرائن على المختار . والخبر المحتف بالقرائن أنواع : منها : ما أخرجه الشيخان في صحيحيهما مما لم يبلغ حد التواتر فإنه احتف به قرائن منها** ....

کبھی کبھی اخبار احاد میں ایسی چیزیں پائی جاتی ہیں جو مختار قول کے مطابق قرائن کی بنا پر علم نظری کا فائدہ دیتی ہیں. اور جو خبر **محتف بالقرائن** ہوتی ہے اس کی مختلف قسمیں ہیں :انھیں میں سے وہ حدیثیں ہیں جن کی تخریج شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں فرمائی ہے، وہ حدیثیں جو حد تواتر کو نہیں پہونچی ہیں اس لئے کہ ان کے ساتھ قرینے موجود ہیں. ان میں سے کچھ قرینے یہ ہیں :

۱- اس فن میں ان دونوں کی جلالت .

۲- صحیح کی تمیز کے سلسلے میں ان دونوں کا تقدم .

۳- ان کی کتابوں کا علماء کا ہاتھوں ہاتھ لینا. اور تنہا یہی قبولیت ہی علم کا فائدہ دینے میں محض کثرت طرق کے مقابلے میں جو حد تواتر سے کم ہو زیادہ قوی ہے. مگر یہ مرتبہ ان حدیثوں کے سلسلے میں خاص ہے جن پر حفاظ میں سے کسی نے تنقید نہ کی ہو اور ان احادیث کے مدلول کے درمیان کشمکش نہ واقع ہو اس طور پر کہ ترجیح کی کوئی صورت نہ ہو (۱) کیونکہ متناقضات میں دونوں کے صدق کا علم حاصل ہونا جبکہ ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دی جاسکے محال ہے، اور ان کے علاوہ جو احادیث ہیں ان کی صحت کے تسلیم پر اجماع حاصل ہے . (نزھۃ النظر : ۳۰، ۳۳)

---

(۱) یہ صورت فرضی ہی معلوم ہوتی ہے کیونکہ حافظ صاحب نے کثرت تتبع اور شدت اعتنا کے باوجود اس کی کوئی مثال نہیں بیان فرمائی ہے اگر یہ صورت واقعی ہوتی تو ضرور اس کی کوئی تعیین فرماتے اسی طرح تنقید کی بنیاد پر انھوں نے جن احادیث کے استثنا کی بات کی ہے اس میں بھی علماء نے ان کے ساتھ اختلاف کیا ہے.

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ متوفی ۱۱۷۶ھ فرماتے ہیں :

" أما الصحيحان فقد اتفق المحدثون على أن جميع ما فيهما من المتصل المرفوع صحيح بالقطع ، وأنهما متواتران إلى مصنفيهما ، وأنه كل من يهون أمرهما مبتدع ، متبع غير سبيل المؤمنين .

فإن الشيخين لا يذكران إلا حديثا قد تناظرا فيه مشائخهما وأجمعوا على القول به والتصحيح له ، كما أشار مسلم حيث قال : لم أذكر ها هنا إلا ما أجمعوا عليه .

(حجة الله البالغه : ١/ ١٣٤) .

صحیحین کے متعلق محدثین کااس بات پر اتفاق ہو چکا ہے کہ ان کی جو حدیثیں متصل ومرفوع ہیں وہ قطعی طور پر صحیح ہیں اور وہ دونوں کتابیں اپنے مصنفین تک متواتر ہیں اور جو شخص بھی ان دونوں کتابوں کی شان گھٹانے کی کوشش کرے وہ بدعتی ہے، مومنین کی راہ سے ہٹا ہوا ہے، کیونکہ شیخین صرف اسی حدیث کوذکر فرماتے ہیں جس کے متعلق انھوں نے اپنے مشائخ سے مناظرہ کرلیا ہے اوران سب کے ماننے اور صحیح قرار دینے پر انکا اجماع ہو گیا ہے، جیسا کہ مسلم نے اس کی جانب اشارہ فرمایا ہے. وہ فرماتے ہیں میں نے اس کتاب میں صرف انھیں حدیثوں کاذکر کیا ہے جس پر سب کا اجماع ہو گیا ہے .

بخاری ومسلم کو یہ درجہ کیوں حاصل ہے

یوں تواس موضوع پر قدیم وجدید بے شمار محققین کی رائیں پیش کی جاسکتی ہیں مگر جس قدر بیانات نقل کئے جاچکے ہیں وہ بہت کافی ہیں. یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ آخر بخاری ومسلم کواس قدر بلند درجہ کیونکر حاصل ہو گیا ؟ اوران کی احادیث کو یہ مرتبہ ومقام کیسے ملا ؟ کہ ان کی مرفوع ومتصل احادیث کے سلسلے میں بے جارائے زنی کرنے والوں کی علمائے امت اس قدر مذمت بیان فرماتے ہیں اوران پر اتنی سخت نکیر کرتے ہیں ؟ .

علمائے کرام کے مذکورہ بالا بیانات سے اس کی مندرجہ ذیل وجوہات سمجھ میں آتی ہیں :
ا- امت کے تلقی بالقبول اور اتفاق کی بنیاد پر اب یہ کتابیں صرف دو مصنفین کی کتابیں نہیں رہ گئیں بلکہ یہ کتابیں پوری ملت اسلامیہ کی نمائندگی کرتی ہیں .

۲- بڑے بڑے محققین و نقادان فن نے ان کی مسند احادیث کو فن جرح و تعدیل اور نقد و تبصرہ کی سخت ترین کسوٹی پر پرکھا اور ہر ہر پہلو سے اس کی جانچ فرمائی اور جب انھیں ثقاہت کے معیار پر پورا اترتا دیکھا تو یہ حکم لگادیا کہ اب ان میں کسی طرح کا احتمال نہیں پایا جاتا. اور ان میں شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ گئی ہے. تو گویا اب یہ معیار محض بخاری و مسلم کا معین کردہ معیار نہیں رہ گیا بلکہ امت کی تمام قابل ذکر شخصیتوں کا تسلیم کردہ معیار ہو گیا .

۳- خود بخاریؒ و مسلمؒ بلند پایہ کے نقاد اور فن کی تمامتر نزاکتوں اور باریکیوں سے آگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی بیدار مغز اور احادیث کے انتخاب کے سلسلے میں حد درجہ محتاط واقع ہوئے تھے . اور پوری چھان بین اور ہر طرح سے مطمئن ہونے کے بعد ہی انھوں نے اپنی صحیحین میں درج کرنے کے لئے حدیثوں کا انتخاب فرمایا ہے یہی وجہ ہے کہ محض سند کے اعتبار سے اگر ان کے کچھ رواۃ پر کلام کرنا ممکن بھی ہو تب بھی ان کے ذکر کردہ متن پر کوئی اعتراض وارد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ متابعات اور شواہد کے ذریعہ اسے اس قدر تقویت حاصل ہو جاتی ہے کہ شک کا کوئی پہلو باقی نہیں رہ جاتا. مزید بر آں شیخین ان متون کی صحت پر مختلف ماہرین فن حدیث کے ساتھ تبادلہ خیالات اور بحث و مناظرہ کر کے کسی اطمنان بخش نتیجے پر پہنچنے کے بعد ہی انھیں اپنی ان دونوں کتابوں میں جگہ دیا کرتے تھے اور علم رجال کے سلسلے میں گہری واقفیت اور احادیث کے علل پر مکمل آگاہی کے باعث ان احادیث کو ذکر نہیں فرمایا کرتے ہیں جن پر انھیں اطمینان نہ ہو. اسی لئے متقدمین و متاخرین میں سے تقریبا تمام محققین نے ان کے موقف کو صحیح تسلیم کیا ہے اور اس سلسلے میں علما نے ایک ایک پہلو پر بحث کی ہے اور کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا ہے. اگر اس موضوع پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے تو کتاب کا حجم بہت بڑھ جائے گا لہذا جن

حضرات کو اس موضوع سے دلچسپی ہو وہ اس فن کی کتابوں کا مطالعہ کریں بالخصوص اردو زبان میں سیرۃ البخاری مصنفہ مولانا عبد السلام مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی مفید کتاب ہے اور اگر اس کے ساتھ حسن البیان کا بھی مطالعہ کیا جائے تو فائدہ دوچند ہو جائے گا ۔ یہاں پر میں بہت ہی اختصار کے ساتھ کچھ باتوں کا ذکر کرتا ہوں جن سے اس حقیقت کو سمجھنے میں مدد ملے گی ۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی عبارت میں امام مسلم کے اس بیان کی طرف اشارہ آچکا ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب میں انھیں احادیث کا ذکر کیا ہے جس پر محدثین کا اجماع ہے ۔ مندرجہ ذیل واقعے سے اس بات کی مزید وضاحت ہوتی ہے کہ شیخین ہر طرح کی علتوں سے مکمل آگاہی رکھتے ہیں اور حدیث کی صحت کا پورا پورا اطمینان حاصل کرنے کے بعد ہی اسے اپنی کتاب میں درج فرماتے ہیں ، برزعی فرماتے ہیں : " حضرت ابا زرعة و ذكر صحيح مسلم فأنكر روايته فيه عن اسباط بن نصر ، وقطن بن نسير وأحمد بن عيسى المصرى .

قال : فلما رجعت إلى نيسابور ذكرت لمسلم إنكار أبى زرعة فقال لى مسلم :إنما قلت صحيح ، و إنما أدخلت من حديث اسباط و قطن وأحمد بن عيسى ما قد رواه الثقات عن شيوخهم إلا أنه ربما وقع إلى عنهم بارتفاع ، ويكون عندى من رواية أوثق منهم بنزول ؛ فاقتصر على ذلك ، وأصل الحديث معروف من رواية الثقات ".

(شرح مسلم ١ / ٢٥ ، ٢٦ بحواله احاديث الصحيحين ص : ٦١)

میں ابوزرعہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انھوں نے صحیح مسلم کا ذکر کیا اور اس میں اسباط بن نصر، قطن بن نسیر ،اور احمد بن عیسی مصری سے روایت کرنے پر نکیر فرمائی ۔

برزعی فرماتے ہیں کہ جب میں نیساپور واپس آیا تو میں نے مسلم سے ابوزرعہ کے انکار کا ذکر کیا ، اس پر مسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے جو بات کہی ہے وہ صحیح ہے پر میں نے اسباط، قطن اور احمد بن عیسی کی صرف وہی روایتیں داخل کی ہیں جنھیں ثقات نے اپنے شیوخ سے روایت کیا ہے ۔ مگر بسا اوقات ان کے واسطے سے حدیثیں مجھے بلندی اسناد کے ساتھ پہنچی ہیں جبکہ ان کے مقابلے میں زیادہ ثقہ لوگوں سے

نزول اسناد کے ساتھ ؛ تو ایسی صورت میں میں نے انھیں پر اقتصار کر لیا ہے جبکہ اصل حدیث ثقاۃ کی روایت سے معروف ہے .

شیخین کی جودت انتقا کے سلسلے میں علامہ زیلعی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : " صاحبا الصحيح إذا أخرجا لمن تكلم فيه ، فإنهم ينتقون من حديثه ما توبع عليه ، وظهرت شواهده وعلم أن له أصلا ، ولا يروون ما تفرد به ، سيما إذا خالفه الثقات . (نصب الراية : ۱ / ۳٤۱) .

اصحاب صحیحین رحمہما اللہ جب کسی ایسے شخص سے روایت کرتے ہیں جس کے بارے میں کلام کیا گیا ہو تو وہ حضرات اس کلام کردہ شخص کی وہ حدیث منتخب فرماتے ہیں جس میں اس کی متابعت کی گئی ہو اور اس کے شواہد ظاہر ہو چکے ہوں اور اس کی اصل معلوم ہو ، اور ایسی حدیث بیان نہیں کرتے جس کے روایت کرنے میں کوئی ایسا شخص متفرد (تنہا) ہو . خاص کر اس صورت میں جبکہ وہ ثقات کی مخالفت کرتا ہو .

امام دار قطنی اور دیگر معترضین کے نقد و اعتراض کی حقیقت .

موجودہ دور میں احادیث نبویہ علی صاحبها الصلاة والسلام کے خلاف مسموم فضا پیدا کرنے والے اور ان کے متعلق شکوک شبہات ابھارنے والے مدعیان تحقیق جو عربی مثل لا في العير ولا في النفير اور اردو مثل دھوبی کا کتانہ گھر کانہ گھاٹ کا کے مطابق انتہائی بے چارگی اور علم و فن میں محتاجگی اور مفلسی کا اعلی نمونہ ہیں . اور محدثین کے طریق تحقیق و تفحص اور طرز بحث و تنقیح اور تثبت بالروایة کے اصول کے مطابق احادیث کی جانچ پڑتال کی روش کے متعلق اندھیرے میں ہیں . ایسے لوگ جب اپنی معروف ذہنیت کے پیش نظر ذخیرۂ سنت کو اپنی تگ و تاز کا میدان بنانا چاہتے ہیں تو حجت میں یہی دلیل پیش فرماتے ہیں کہ دیکھئے فلاں فلاں محدثین نے بھی تو ایسا ایسا نقد فرمایا ہے . تو سوال یہ پیدا ہوتا

ہے کہ اگر ایک آدمی اس پوزیشن میں ہو کہ وہ اپنی فنی مہارت کے باعث اس فن میں نقد کرنے کا اہل ہو اس سے قطع نظر کہ وہ اپنے نقد میں صواب پر ہے یا غلطی پر تو کیا اس بنیاد پر کسی ایسے شخص کو جو اس فن سے قطعی ناآشنا ہو یا اس کی معلومات بالکل سطحی قسم کی ہوں اس کے بڑے بڑے یا بھاری بھر کم القاب یا زبان آوری اور کثرت کلام کی وجہ سے اس بات کی اجازت دی جا سکتی ہے کہ وہ یا پنی صواب دید کے مطابق اس فن میں جس طرح چاہے رائے زنی کرتا رہے اور لگ گیا تو تیر نہیں تو تکا۔

ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ! کسی بھی فن کے ماہرین اس کو ایسی اجازت نہیں دے سکتے۔

اس تمہید کے بعد آیئے امام دار قطنی رحمہ اللہ کے نقد کے بارے میں ماہرین فن کی رائے معلوم کرتے ہیں۔ علامہ احمد شاکر مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

" الحق الذى لا مرية فيه عند أهل العلم بالحديث من المحققين ، وممن اهتدى بهديهم وتبعهم على بصيرة من الأمر . إن أحاديث الصحيحين صحيحة كلها ، ليس في واحد منها مطعن أو ضعف ، وإنما انتقد الدارقطنى وغيره من الحفاظ بعض الأحاديث ، على معنى أن ما انتقدوه لم يبلغ في الصحة الدرجة العليا التى التزمها كل واحد منهما في كتابه . وأما صحة الحديث في نفسه فلم يخالف أحد فيها . فلا يهولنك إرجاف المرجفين وزعم الزاعمين أن في الصحيحين أحاديث غير صحيحة . وتتبع الأحاديث التى تكلموا فيها ، وانقدها على القواعد الدقيقة التى صار عليها أئمة أهل العلم ، واحكم بينة والله الهادى إلى سواء السبيل . (الباعث الحثيث ص : ٤٤) .

وہ حق جو ہر طرح کے شک وشبہ سے بالاتر ہے وہ یہ ہے کہ حدیث کا علم رکھنے والے محققین اور ان کی روش پر چلنے والوں اور بصیرت کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والوں کے نزدیک صحیحین کی احادیث سب کی سب صحیح ہیں اور ان میں سے ایک بھی قابل اعتراض اور ضعیف نہیں ہے۔ اور دار قطنی وغیرہ حفاظ نے جو بعض احادیث پر نقد کیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جن احادیث پر انھوں نے نقد کیا ہے وہ صحت میں اس بلند ترین درجے کی نہیں ہیں جس کا التزام ان دونوں میں سے ہر ایک نے اپنی کتاب میں

کیا ہے .
رہی نفس حدیث کی صحت تو اس کے بارے میں کسی ایک نے بھی اختلاف نہیں کیا ہے لہذا افواہیں پھیلانے والوں کی افواہوں اور بدگمانیاں کرنے والوں کی اس بدگمانی اور افواہ سے کہ صحیحین میں غیر صحیح حدیثیں پائی جاتی ہیں آپ کو حواس باختہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے . ان احادیث کا جن کے بارے میں انھوں نے کلام کیا ہے تتبع کیجئے اور ان دقیق قواعد کی بنیاد پر مذکورہ احادیث پر نقد کیجئے جو اہل علم کے یہاں معمول بہا رہے ہیں اور واضح دلیل کو بنیاد بناکر ان پر حکم لگائیے . اللہ تعالی ہی صحیح راستے کی طرف رہنمائی فرمانے والا ہے .

دیکھئے یہ ہوتا ہے اہل تحقیق کا شیوہ . جو کبھی اصول و ضوابط اور انصاف سے ہٹ کر کوئی بات نہیں کہتے جبکہ تحقیق کا محض زبانی دعوی کرنے والوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ ان کے یہاں اصول اور ضابطوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی . وہ یا تو مقلد ہوتے ہیں یا پھر ظن و تخمین کے پیروکار . آیئے صحیح تحقیق اور انصاف کی ایک عملی مثال آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں .

عصر حاضر کے نامور محقق اور عظیم محدث علامہ ناصر الدین البانی حفظہ اللہ نے ایک حدیث " من عادی لی ولیا .... ". پر اپنی تحقیق کے مطابق پہلے یہ حکم لگایا : " **رواه البخاری وفي سنده ضعف ، لكن له طرق لعله يتقوى بها ، ولم يتيسر لی حتی الآن تتبعها وتحقيق الكلام عليها** ". **(مقدمة شرح العقيدة الطحاوية ص : ٢٤)** .
اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے ، مگر اس کی دوسری سندیں ہیں شاید ان کی وجہ سے اس حدیث کو تقویت حاصل ہو جائے ، مجھے ابھی تک اس کے تتبع اور اس پر سیر حاصل گفتگو کرنے کی فرصت میسر نہیں آئی .
دیکھئے یہاں علم و تحقیق کے سارے آداب کو کس طرح ملحوظ رکھا گیا ہے .
١- اپنی تحقیق کے مطابق سند میں ضعف نظر آیا تو یہ حکم لگایا کہ میرے نزدیک اس حدیث کی سند میں

ضعف ہے.

۲- مگر اس بات کی جانب اشارہ کرنا نہیں بھولے کہ اس حدیث کی صرف یہی سند نہیں ہے بلکہ دیگر سندیں بھی پائی جاتی ہیں اور اگر تحقیق کی جائے تو ہو سکتا ہے کہ ان سندوں کی بنیاد پر حدیث صحیح ثابت ہو.

۳- صحیح بخاری کا درجہ اور علوم الحدیث کے تمام قواعد سے آگاہی کے باعث موجودہ سند کے ضعف کی بنیاد پر جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فورا یہ حکم نہیں لگادیا کہ سند کے ضعیف ہونے کی وجہ سے یہ حدیث لازمی طور پر متن کے اعتبار سے بھی ضعیف ہے اس لئے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ جو حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف قرار پائے وہ متن کے اعتبار سے بھی ضعیف ہو کیونکہ شواہد و متابعات اور دیگر سندوں کی وجہ سے متن صحیح ہو سکتا ہے .لہذا اس کی مزید تحقیق کی ضرورت کو محسوس فرمایااور اس کے متن پر حکم لگانے سے توقف کیا .اور معذرت کی کہ ابھی مجھے تحقیق کا موقعہ نہیں مل سکا.

علماء اور محققین کی یہی شان ہے کہ وہ کسی قسم کی جلد بازی اور تحقیق کے سلسلے میں اکتاہٹ کا مظاہرہ نہیں فرماتے بلکہ پورے صبر کے ساتھ بحث و جستجو کے بعد کسی حتمی نتیجے تک پہونچنے کی کوشش کرتے ہیں. اور جب ہر طرح سے تحقیق کرنے کے بعد اپنی تحقیق پر مطمئن ہو جاتے ہیں تو حکم لگادیتے ہیں اور علمائے فن کے سامنے اپنی تحقیق کے سارے مراحل اور نتیجہ بحث من و عن پیش کر دیتے ہیں تاکہ وہ بھی اس کی جانچ پڑتال کریں. اگر پیش کردہ نتیجہ صحیح ہو تو اس کو تسلیم کرلیں ورنہ دلائل کے ساتھ اس کی تردید فرمائیں. وہ محض ظن و تخمین اور شور شغب کو اپنا ہتھیار نہیں بناتے .

الغرض علامہ البانی حفظہ اللہ تحقیق میں لگے رہے اور ان کی تحقیق کا نتیجہ انشاءاللہ میں آپ کی خدمت میں پیش کروں گا مگر اس سے پہلے اس بات کا ذکر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں جو اس حدیث کے سلسلے میں بعض بدعتوں کی طرف سے علامہ البانی کو پیش آئی.

یہ چیز معلوم ہے کہ اہل بدعت ہمیشہ اہل حدیث کے پیچھے لگے رہتے ہیں اور ان کی ٹوہ میں رہتے ہیں کہ کوئی موقعہ ہاتھ آئے اور انھیں اپنے دل کی بھڑاس نکالنے اور اپنے مریدین سے داد و تحسین کے ساتھ ساتھ قیمتی نذرانوں کے سمیٹنے کا بھی سامان پیدا ہو تا رہے. لہذا علامہ موصوف کی اس تضعیف پر کچھ

مسلک پرست متعصب بدعتیوں نے حب علیؓ نہیں بلکہ بغض معاویہؓ میں واویلا مچانے اور اپنی مخصوص روش کے مطابق قیامت برپا کرنے کی کوشش کی تو علامہ نے اپنے رہوار قلم کا رخ ان کی جانب موڑ دیا اور پھر نہ پوچھئے کہ ان کی کیا کیا درگت بنی اور علم و تحقیق کے میدان میں ان کی کیسی کیسی رسوائی ہوئی. اور بیچارے کس طرح اپنا سر پیٹ کر اور انگلیاں چبا چبا رہ گئے ہوں گے.

ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

کا منظر ان سے بڑھ کر کسی نے کیا دیکھا ہوگا . علامہ کے خلاف وہ کوئی بات تو کیا ثابت کر پاتے الٹے بخاری و مسلم کے ساتھ کھلواڑ کرنے اور ان کی احادیث پر طرح طرح کے مشق ستم آزمانے کے کئی نمونے انھیں کے نامۂ اعمال میں نکل گئے.

بہر کیف علامہ نے اس تضعیف کے سلسلے میں جو حجت پیش فرمائی وہ یہ ہے :

" أنني لست مبتدعا بهذا التضعيف ، بل أنا متبع فيه لغيری ممن سبقني من كبار أئمة الحديث وحفاظه ، مثل الذهبی في " الميزان " وابن رجب الحنبلی في " شرح الأربعين النووية " ، والحافظ بن حجر العسقلانی في " فتح الباری " - كتاب الرقاق - وقد نقل هذا عن الذهبی أنه قال في ترجمة راويه خالد بن مخلد :

هذا حديث غريب جدا ، لولا هيبة الصحيح " لعَدوه في منكرات خالد بن مخلد ، فإن هذا المتن لم يرو إلا بهذا الإسناد ، ولا خرجه من عدا البخاری .... ".

میں نے اس تضعیف میں کسی بدعت کا ارتکاب نہیں کیا ہے بلکہ میں اس میں اپنے علاوہ بڑے بڑے ائمہ حدیث اور حفاظ حدیث کا پیروکار ہوں، جیسے کہ ذہبی نے " میزان " میں ، ابن رجب حنبلی نے " شرح الاربعین النوویہ " میں اور حافظ بن حجر عسقلانی نے " فتح الباری " - کتاب الرقاق - میں (اس حدیث پر گفتگو کی ہے) اور انھوں (ابن حجر) نے ذہبی سے نقل کیا ہے کہ وہ اس حدیث کے راوی خالد بن مخلد کے ترجمہ میں فرماتے ہیں : " یہ حدیث بہت غریب ہے " اگر صحیح کی ہیبت نہ ہوتی تو اس حدیث کو خالد بن مخلد کے منکرات میں شمار کرتے. اس لئے کہ اس متن کو اس سند کے

.سوا دوسری سند کے ساتھ نہیں روایت کیا گیا ہے، اور نہ ہی بخاری کے سوا کسی اور نے اس کی تخریج کی ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ یہ متن مسند احمد میں ہوگا ، حافظ بن حجر فرماتے ہیں : " میں کہتا ہوں : یہ متن مسند احمد میں یقینی طور پر نہیں ہے، اور مطلق طور پر یہ کہنا کہ اس متن کو صرف اسی سند کے ساتھ روایت کیا گیا ہے مردود ہے، مزید بر آں خالد کے شیخ شریک کے بارے میں بھی کلام ہے اور وہی اس حدیث معراج کے راوی ہیں جس میں انھوں نے زیادتی و کمی اور تقدیم و تاخیر کی ہے، اور اس میں ایسی چیزوں کے ساتھ متفرد ہیں جن میں ان کی متابعت نہیں کی گئی ہے.. مگر حدیث کے دوسرے بھی طرق ہیں جن کا مجموعہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس حدیث کی کوئی اصل ہے ". (۱)

پھر حافظ نے ان طرق کی تخریج فرمائی ہے جن کی طرف اشارہ کیا ہے، اور ان میں سے بعض ان کے نزدیک حسن ہیں اور ابن رجب ان کے متعلق کہتے ہیں : " یہ کلام سے خالی نہیں ہیں " یہی وجہ ہے کہ میں نے اس حدیث پر صحت کا صریح حکم لگانے میں توقف کیا یہاں تک کہ اس کے طرق پر غور و تدبر کرنا میرے لئے آسان ہو جائے، پھر اللہ تعالی نے یہ آسانی مجھے فراہم کی، اور مجھ پر یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ حدیث اپنے مجموع کے اعتبار سے صحیح ہے، اور **سلسلة الأحاديث الصحيحة** میں ۱۶۴۰ نمبر کی حدیث کے تحت میں نے اس پر سیر حاصل گفتگو کی اور اس کے مالہ وماعلیہ کو بیان کیا. اور اسی کی بنیاد پر میں نے اس طباعت میں (یعنی شرح العقیدۃ الطحاویۃ کی تعلیق میں) اس کی صحت کا قطعی حکم لگایا ہے جیسا کہ آپ صفحہ نمبر ۴۹۸ میں دیکھ سکتے ہیں .(مقدمہ شرح العقیدۃ الطحاویۃ ص : ۳۸) .

علامہ موصوف نے " شرح العقیدۃ الطحاویۃ " کی تعلیق میں اس حدیث کی بابت فرمایا : " صحيح لإخراج البخاري إياه ، واسناده قوي لغيره ، له طرق وشواهد عدة أخرجتها في

---

(۱) علامہ ذہبی نے جس ہیبت کی بات کی ہے وہ محض خوش عقیدگی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ ذہبی اور دیگر ناقدین فن اصول و قواعد کی رعایت کی بناپر اس ہیبت کا شکار ہیں جیسا کہ ضوابط کی روشنی میں اس حدیث کی صحت اس بات کی جانب واضح اشارہ کرتی ہے .

أخرجتها في " الأحاديث الصحيحة " ١٦٤٠ .... (ص : ٣٦٠) .
یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ بخاری نے اس کی تخریج کی ہے اور اس کی سند قوی لغیرہ ہے، اس کے بہت سے طرق اور شواہد ہیں، جن کی تخریج میں نے " الأحاديث الصحيحة " ١٦٤٠ میں کی ہے .
اور " سلسلة الأحاديث الصحيحة ج ٤ " میں اس حدیث کے سلسلے میں مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد فرماتے ہیں : " خلاصة القول : إن أكثر هذه الشواهد لا تصلح لتقوية الحديث بها ، إما لشدة ضعف إسناده ، و إما لاختصارها ، اللهم إلا حديث عائشة و حديث أنس بطريقيه ؛ فإنهما إذا ضما إلى إسناد أبي هريرة اعتضد الحديث بمجموعها وارتقى إلى درجة الصحيح إن شاء الله تعالى ، وقد صححه من سبق ذكره من العلماء . (ص : ١٩٠)
خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان میں سے اکثر شواہد تو اپنے اسناد کے شدت ضعف یا اختصار کے باعث شواہد بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے البتہ حضرت عائشہ کی حدیث اور حضرت انس کی حدیث اپنی دونوں سندوں کے ساتھ ابو ہریرہؓ کی حدیث سے مل جاتی ہیں تو یہ حدیث اپنے مجموع کے اعتبار سے قوی ہو جاتی ہے اور انشاءاللہ تعالیٰ صحیح کے درجے تک پہنچ جاتی ہے، اور علماء میں سے جن لوگوں کا ذکر ہو چکا ہے انھوں نے اسے صحیح قرار دیا ہے .

اور بخاری کی احادیث کے متعلق علامہ البانی حفظہ اللہ کی کیا رائے ہے ؟ وہ ان کے مندرجہ ذیل بیان سے واضح ہو جاتی ہے : ...... كل من شم رائحة العلم بالحديث الشريف يعلم بداهة أن قول المحدث في حديث ما : " رواه الشيخان " أو " البخارى أو مسلم " إنما يعني : أنه صحيح ، فإذا قال في بعض المرات : " صحيح رواه الشيخان " أو " صحيح رواه البخارى " أو " صحيح رواه مسلم " فهو من باب البيان والتوضيح والتاكيد لصحة الحديث .... " . (شرح العقيدة الطحاوية ص : ٢٥) .
جس شخص نے بھی حدیث شریف کے علم کی خوشبو سونگھی ہو گی وہ بدیہی طور پر یہ بات جانتا ہے کہ کسی حدیث کے بارے میں محدث کے یہ کہنے کا کہ شیخین نے اسے روایت کیا ہے یا بخاری یا مسلم نے روایت

کیا ہے مطلب یہ ہوتا ہے کہ حدیث صحیح ہے. لہذا جب بھی وہ یہ کہتا ہے کہ حدیث صحیح ہے اسے شیخین نے روایت کیا ہے. تو ایسا کہنا بیان و توضیح اور صحت حدیث کی تاکید کے باب سے ہوتا ہے.

مزید فرماتے ہیں : " **إن الحديث إذا أخرج الشيخان أو أحدهما ، فقد جاوز القنطرة ، ودخل في طريق الصحة والسلامة .** (كتاب مذكور ص : ٢٨) .

جب شیخین کسی حدیث کی تخریج کریں یا ان دونوں میں سے کوئی ایک تو وہ حدیث پل پار کر گئی اور صحت وسلامتی کے راستے میں داخل ہو گئی . مذکورہ بالا تفصیل کو ملاحظہ فرمانے کے بعد قارئین اس بات کا فیصلہ بڑی آسانی سے کر سکتے ہیں کہ تحقیق کسے کہتے ہیں اور بے جا اچھل کود مچانے اور جھوٹ موٹ کا شور کرنے اور خالص علمی تحقیق کے درمیان کیا فرق ہے. نیز یہ حقیقت بھی آپ پر اچھی طرح واضح ہو گئی ہو گی کہ کسی محدث کا بخاری و مسلم کی بعض سندوں پر نقد کرنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ حدیث ان کے نزدیک صحیح نہیں ہے. اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ تحقیق کے تمام اسباب مہیا نہ ہونے کے سبب کوئی غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے یا فیصلہ ادھورا رہ جاتا ہے، پھر تحقیق کے بعد غلط فہمی دور ہو جاتی ہے اور فیصلہ بھی مکمل ہو جاتا ہے یا پھر کوئی دوسرا محقق ان گہرائیوں تک پہنچ جاتا ہے جہاں تک پہلا محقق کسی سبب سے نہیں پہنچ پاتا .

امام دارقطنی کے نقد کے متعلق صاحب سیرۃ البخاری کا تجزیہ

فرماتے ہیں : " صحیح بخاری کو ایک نظر اور دیکھو ﴿ **ثم ارجع البصر كرتين ينقلب إليك البصر خاسئا وهو حسير** ﴾ پھر تم بار بار نظر اٹھا کر دیکھو تمہاری آنکھیں خیرہ رہ جائیں گی اور کوئی نقص نہ نکال سکو گے.

آزادی اور حق گوئی اسلام کی خصوصیات میں شمار کی جاتی ہیں. اور حق یہ ہے کہ اسلام اس پر جس قدر فخر کرے حق ہے. اسی آزادی اور حق گوئی پر تنقید کی بنا ہے.

صحیح بخاری کو اہل اسلام نے اصح الکتب کا خطاب بہت کچھ جانچ پر تال کرنے کے بعد دیا ہے. علی بن مدینی

. امام احمد بن حنبل، یحیٰ بن معین اور ان کے معاصرین اس کے اول ناقد ہیں صحیح بخاری کی تصنیف کے بعد جماعت محدثین صدیوں تک اس کی تنقید کرتی رہی اور ایک ایک حدیث اس کی جانچ کی گئی.
امام دار قطنی بڑے پایہ کے ناقد حدیث تسلیم کئے گئے ہیں. انھوں نے صحیح بخاری کو بلا تقلید احدے حرفا حرفا جانچا اور بلا تردد دل کھول کر لیکن دیانت سے جو جو شکوک ان کے ذہن میں آئے سب کو رسالہ کی صورت میں جمع کیا. خواہ وہ شکوک متن سے لگاؤ رکھتے ہوں یا سلسلہ اسناد سے یا راویوں سے.
حافظ بن حجر نے ان تمام شکوک کو ہدی الساری میں نقل کیا ہے. اور ان تمام کا حل کیا ہے اور بہت ہی انصاف سے کام لیا ہے. رواۃ پر جو شکوک تھے ان کے جواب کے لئے علحدہ فصل قائم کی ہے. اور جو سلسلہ اسانید یا متن حدیث پر تھے ان کے جواب کے لئے الگ. اس طرح امام دار قطنی کے جس قدر شکوک تھے سب صاف ہوگئے. کیونکہ ان کے شکوک کی بنا کچھ تو عدم واقفیت پر تھی کچھ تشدد پر کچھ ان اصول کی عدم پابندی پر جو محدثین نے قائم کئے ہیں ہم ان شکوک اور ان کے جواب کو بخوف طوالت نظر انداز کرتے ہیں. شکوک اور ان کے حل وجواب مل کر ایک بڑی ضخیم کتاب بن جائے گی. حافظ بن حجر کے علاوہ علامہ عینی نے ان کے شکوک پر خاص توجہ کی ہے اور اس کے لئے انھوں نے کوئی مستقل کتاب یا مستقل فصل اور باب تو نہیں قائم کئے؛ لیکن جب صحیح بخاری میں وہ مقام آگیا ہے جو دار قطنی کے شکوک سے تعلق رکھتا ہے تو اس کو اعلی عنوان سے رفع کیا ہے. اسی طرح علامہ قسطلانی اور دیگر شارحین صحیح بخاری نے بھی. (سیرۃ البخاری ص : ۲۳۸).

صحیح مسلم پر دار قطنیؒ کے نقد کی بابت ڈاکٹر ربیع بن ہادی مدخلی استاد جامعہ اسلامیہ مدینۃ النبی ﷺ کی رائے

شیخ ربیع حفظہ اللہ کے مطابق امام دار قطنی کا اصل نقد مسلم کی ۹۵ حدیثوں پر ہے.
(دیکھئے مقدمہ بین الامامین مسلم والدار قطنی ص : ۲۲)

ان تمام حدیثوں پر فرداً فرداً تفصیلی بحث کرنے کے بعد موصوف بحث کے خاتمے پر لکھتے ہیں :

" يمكن إرجاع انتقادات الدارقطني وتتبعاته للإمام مسلم إلى الأقسام الآتية .... ". (كتاب مذكور ص : ٦٢٨) .

امام مسلم کی احادیث پر دار قطنی کے نقد و تتبع کو مندرجہ ذیل اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے.

۱- وہ نقد جو اسانید سے متعلق ہے، اس میں دار قطنیؒ ارسال وانقطاع یا کسی راوی کا ضعف یا عدم سماع یا کسی امر میں ثقات کی مخالفت جیسی علتوں کو ظاہر فرماتے ہیں اور بحث و ریسرچ کے بعد یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ وہ ان علتوں کے اظہار میں حق بجانب نہیں ہیں. اور نقد کی اس قسم کی متون میں کوئی تاثیر نہیں ہے کیونکہ ان کی اظہار کردہ علتیں ثابت نہیں ہوئی ہیں. اور اس قسم کی حدیثوں کی تعداد چالیس ہے.

۲- وہ نقد جو اسانید سے متعلق ہے، ان اسانید میں انقطاع یا عدم سماع ...... الخ کی علتوں کا اظہار کرتے ہیں ، اور اظہار علت کے سلسلے میں حق بجانب ہوتے ہیں مگر اس کی تاثیر صرف اسی معین سند پر منحصر ہوتی ہے. اور متن کسی دوسری سند یا مختلف سندوں کی وجہ سے صحیح ہوتا ہے. اور اس حدیث کے ایسے متابعات و شواہد پائے جاتے ہیں جو اس کی قوت کو بڑھادیتے ہیں اور اس قسم کی حدیثیں ۴۵ ہیں .

۳- نقد متن سے متعلق ہوتا ہے. جیسے کسی حدیث کے بارے میں یہ دعوی کرتے ہیں کہ وہ موقوف ہی صحیح ہے اور اس کا مرفوع ہونا ثابت نہیں ہے یا یہ دعوی کریں کہ وہ کسی تابعی کا قول ہے اور اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں ہے. یا یہ دعوی کرتے ہیں کہ کوئی معین جملہ راوی کے وہم کے سبب کسی متن میں بڑھادیا گیا ہے. اور اپنے اس نقد میں حق بجانب ہوتے ہیں، اور یہ نقد اثر انداز ہوتا ہے کیونکہ ان کا دعوی ثابت ہو جاتا ہے اور اس متن کے متابعات اور شواہد نہیں پائے جاتے ہیں. اس قسم کی حدیثیں بہت تھوڑی ہیں جو آٹھ سے زیادہ نہیں ہیں.

۴- نقد جو متن سے متعلق ہوتا ہے. جیسے کسی حدیث کے بارے میں یہ دعوی کرنا کہ وہ کسی معین صحابی سے موقوف ہی صحیح ہے یا یہ کہ وہ فلاں کے قول سے مرسل ہے، اور بحث و تمحیص کی روشنی میں یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کا دعوی ثابت نہیں ہو رہا ہے. تو اس علت کا بدیہی طور پر اس متن پر کوئی اثر نہیں ہوگا جس کا انھوں نے دعوی کیا ہے. اور مجھے اس طرح کی دو حدیثیں ملی ہیں.

غور فرمائیں کہ ایک کتاب کی ہزاروں حدیثوں میں سے ایک عظیم ناقد فن کو صرف ۹۵ حدیثیں ایسی ملتی ہیں جن پر وہ نقد کر سکتا ہے. کیا یہ چیز کتاب و صاحب کتاب کی عظمت کی دلیل نہیں ہے؟ پھر جب اس ناقد کے نقد کا قواعد حدیث اور علمائے فن کی آراء کی روشنی میں جائزہ لیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ۸۷ حدیثوں کے سلسلے میں اس کے نقد کا حدیث کی صحت پر کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا اور ان میں سے بہت سے اعتراضات کے سلسلے میں تو وہ قطعی حق بجانب ہے ہی نہیں. اور ایک طالب حدیث اور فن کا اسکالر پوری بحث و تمحیص اور ریسرچ کے بعد یہ فیصلہ دیتا ہے کہ اس کا نقد صرف چند حدیثوں میں موثر ہے اور ان کی تعداد آٹھ سے زیادہ نہیں ہے اور اپنے اس فیصلے کے سلسلے میں یہ بات واضح کر دیتا ہے کہ میرا یہ فیصلہ اس وجہ سے ہے کہ مجھے ان حدیثوں کے شواہد و متابعات نہیں ملے.
اور یہ بات ظاہر ہے کہ وہ اپنے متعلق کہہ رہا ہے. اور عین ممکن ہے کہ دوسروں کی نظر ان شواہد و متابعات تک پہنچ جائے جہاں تک اس کی نظر نہیں پہنچ سکی ہے. جیسا کہ یہ بات مشاہدے میں آچکی ہے اور اس کی مثال بھی علامہ البانی کے بیان میں گزر چکی ہے.
کیا اس بحث کے نتیجے سے اس بات پر اعتقاد اور پختہ نہیں ہو جاتا کہ بخاری و مسلم کی ساری متصل و مرفوع حدیثیں صحیح ہیں اور اب تک کوئی بھی انسان ان کی صحت کو چیلنج کرنے میں حق بجانب نہیں رہا ہے. اور پیر زادہ صاحب اور دیگر مدعیان تحقیق کے ہفوات بالبداہت غلط ہیں اور پیر زادہ صاحب کے بیان کردہ قرآنی اصول کے مطابق سنتے ہی فوراً ان کی تردید کی جانی چاہیئے بغیر یہ دیکھے ہوئے کہ ان کا قائل کون ہے؟.

اس حقیقت کی تھوڑی سی اور توضیح آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں کہ امام دار قطنی یا دیگر لوگوں کے اعتراضات کو محققین صحیح نہیں تسلیم کیا ہے اور بخاری و مسلم کی احادیث کی صحت پر ان کا اعتماد ہمیشہ بحال رہا ہے اور پورے انصاف کے ساتھ معترضین کے اعتراضات اور ناقدین کی تنقیدوں کا جائزہ لینے کے بعد ہر ایک کے درجات کا لحاظ کرتے ہوئے علماء نے ان کی تردید فرمائی ہے۔ اور بخاری و مسلم کی مسلمہ وجاہت و ثقاہت اور حیثیت و اعتبار بحال رہا ہے۔

چنانچہ علامہ نووی رحمہ اللہ " شرح البخاری " کے مقدمہ میں فرماتے ہیں :

" استدرك الدارقطنى على البخارى ومسلم فطعن في بعضها ، وذلك الطعن مبنى على قواعد لبعض المحدثين ضعيفة جدا ، مخالفة لما عليه الجمهور من أهل الفقه والأصول وغيرهم فلا تغتر بذلك . (اس بات کو حافظ بن حجر نے ہدی الساری میں نقل فرمایا ہے دیکھئے ص :۳۴۶).

دار قطنی نے بخاری و مسلم کی کچھ حدیثوں پر استدراک کر کے ان میں سے بعض کو اعتراض کا نشانہ بنایا ہے اور یہ اعتراض بعض محدثین کے بہت ہی کمزور قواعد پر مبنی ہے جو جمہور اہل فقہ واصول وغیر ہم کے مخالف ہے لہذا تم اس سے دھوکہ نہ کھانا۔

حافظ ابو بکر خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

" ما احتج البخارى ومسلم به من جماعة علم الطعن فيهم من غيرهم ، محمول على أنه لم يثبت الطعن المؤثر مفسر السبب " . (شرح مسلم للنووى ص : ٣٤٦) .

جن لوگوں کو بخاری و مسلم نے حجت بنایا ہے اور دوسرے لوگوں نے ان پر اعتراض کیا ہے تو یہ صورت اس بات پر محمول ہے کہ ان کے بارے میں موثر اعتراض ثابت نہیں ہے جس کا سبب واضح کر دیا گیا ہو۔

حافظ صلاح الدین علائی فرماتے ہیں :

"إذا جزم بالخبر وصححه واطلع غيره فيه على علة قادحة فيه قدمت على تصحيح ذاك ، ما عدا تصحيح الشيخين لاتفاق الأمة على تلقى ذلك منهما بالقبول ".

(جامع التحصيل ص : ٨١) .

اگر خبر کو قطعیت کے ساتھ بیان کرے اور اس کی تصحیح کرے اور کوئی دوسرا اس میں موجود علت قادحہ سے آگاہ ہو جائے تو اس دوسرے شخص کی قدح کو اس کی تصحیح پر مقدم کیا جائے گا ، شیخین کی تصحیح اس سے مستثنی ہے کیوں کہ امت کا ان دونوں کی تصحیح کی قبولیت پر اتفاق ہے.

حافظ بن حجر فرماتے ہیں :

" فبتقدير توجيه كلام من انتقد عليهما يكون قوله معارضا لتصحيحهما ولا ريب في تقديمهما في ذلك على غيرهما فيندفع الاعتراض من حيث الجملة " .

(هدى السارى ص : ٣٧٤) .

ان دونوں پر نقد کرنے والے کے کلام کی توجیہ کی صورت میں نقد کرنے والے کا قول ان دونوں کی تصریح کے مخالف ہوگا اور اس باب میں دوسروں پر ان دونوں کے مقدم کئے جانے کے متعلق کوئی شک نہیں ہے لہذا مجموعی اعتبار سے اعتراض ختم ہو جاتا ہے .

علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

" فقد أجمع أهل هذا الشأن على أن أحاديث الصحيحين ، أو أحدهما كلها من المعلوم صدقه بالقبول المجمع على ثبوته ، وعند هذه الاجماعات تندفع كل شبهة ويزول كل تشكيك .

وقد دفع أكابر الأمة من تعرض للكلام على شيئ مما فيهما ، وردوه أبلغ رد ، وبينوا صحته أكمل بيان ؛ فالكلام على اسناده بعد هذا لا يأتى بفائدة يعتد بها ، فكل رواته قد جاوز القنطرة ، وارتفع عنهم القيل والقال ، وصاروا أكبر من أن يتكلم فيهم بكلام أو يتناولهم طعن طاعن ،أو توهين موهن .

(قطر الولی ص : ۲۳۰ ، ۲۳۱- آخر کے پانچوں حوالوں کے لئے دیکھئے **احاديث الصحيحين**) .

اس فن کے ماہرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ صحیحین کی احادیث یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی حدیثیں ان سب کا صدق قبولیت کی وجہ سے معلوم اور ان کے ثبوت پر اجماع ہے اور جہاں اس طرح کا اجماع ہو وہاں سارے شبہات ختم اور ہر طرح کی تشکیک زائل ہو جاتی ہے ۔

اور جس نے بھی ان دونوں میں موجودہ احادیث میں سے کسی پر کلام کیا تو اکابرین امت نے اس کو دفع کیا اور اس کی تردید بلیغ فرمائی اور اس کی صحت کو بڑے کمال کے ساتھ بیان فرمایا ، لہذا اس کے بعد اس کی سند پر کلام کرنے کا کوئی قابل ذکر فائدہ نہیں ہے، کیونکہ اس کے تمام رواۃ پل پار کر چکے ہیں، اور قیل قال ان سے ختم ہو چکا ہے، اور وہ اس سے بلند ہو چکے ہیں کہ کوئی شخص ان کے متعلق کلام کرے یا انھیں کسی اعتراض کرنے والے کا اعتراض لاحق ہو یا ان پر کمزور قرار دینے والوں کی بات اثر انداز ہو ۔

خلاصہ بحث

مذکورہ بالا تصریحات اور اکابرین امت کی توجیہات کا خلاصہ یہ ہے کہ :

۱- بخاری و مسلم کی متصل و مرفوع احادیث کی صحت پر اجماع منعقد ہو چکا ہے لہذا ان کی احادیث پر بے بنیاد شک و شبہ کرنا مومنین کی راہ سے ہٹ کر چلنے کے مترادف ہے ۔

۲- مذکورہ اجماع ہر طرح کے نقد اور اعتراضات کا جائزہ لینے کے بعد ہوا ہے اسی لئے ماہرین فن کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اب ان پر نقد کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے ۔

۳- اور اگر کوئی شخص نقد کرنا ہی چاہے تو اس پر محدثین کے معین کردہ قواعد کی پابندی لازم ہو گی اور شواہد و متابعات کو مد نظر رکھنا ضروری ہو گا اور متن پر حکم لگانے سے پہلے ہر پہلو کا جائزہ لینا ضروری ہو گا. اور ظاہر سی بات ہے کہ اس کے لئے گہرے علم اور تمام اصول و قواعد کی آگاہی ضروری ہے اور

کسی شخص کی فنی مہارتوں کو اسی وقت تسلیم کیا جائے گا جب کہ اہل علم اور اس فن کے ماہرین اس کی تصدیق کردیں .

۴- جو شخص اجماع امت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ان کی وقعت گھٹانے کوشش کرے گا اس کا شمار بدعتیوں میں ہوگا .

بخاری کے اسی افراد پر کلام کی حقیقت

پیرزادہ صاحب حافظ بن حجر کے حوالے سے رقم طراز ہیں : " بخاری کے اسی افراد کے ضعف کے بارے میں کلام کیا گیا ہے اسی طرح مسلم کے ایک سو ساٹھ افراد کے بارے میں - ". (ص : ۲۴)

مجھے ڈر ہے کہ پیرزادہ صاحب نے ابوریہ اور احمد امین وغیرہ کی اضواء اور فجر الاسلام اور ضحیٰ الاسلام جیسی زہریلی وبدبودار کتابوں کا مواد نہ نگل لیا ہو جس کی وجہ سے گولڈ زیہر یہودی اور دیگر مستشرقین کے تمام تر قاتل جراثیم ان کے ذہن ودماغ پر مسلط ہوگئے ہوں. کیونکہ یہ تمام شکوک وشبہات اور بے سرو پا ولغو اعتراضات انھیں بے ڈھب اور بددماغ لوگوں کے اٹھائے ہوئے ہیں جنہیں پیرزادہ نے اپنے کتابچے میں اپنی تحقیق کے نام پر پیش کیا ہے یا پھر ان کے پیروں کی دین ہو واللہ اعلم بالصواب .

ابوریہ نے احمد امین کے حوالے سے بعینہ یہی اعتراض بخاری کے سلسلے میں نقل کرکے واویلا مچانے کی کوشش کی ہے جس کا جواب مشہور محقق ذہبی عصر علامہ یمانی رحمہ اللہ نے اس طرح دیا ہے، وہ فرماتے ہیں : " أقول هذا الأمر يتراء ى مهولا ، فإذا تدبرنا حال اولئك الثمانين واستقرأنا ما أخرجه البخارى لهم اتضح أن الأمر هين .... ".

میں کہتا ہوں دیکھنے میں تو یہ امر خوفناک محسوس ہوتا ہے مگر جب ہم ان اسی لوگوں کے حال پر غور

کرتے ہیں اور بخاری نے ان سے جو روایتیں کی ہیں ان کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں تو واضح ہوتا ہے کہ بات کچھ بھی نہیں ہے، حافظ بن حجر نے فتح الباری میں ان لوگوں کے تراجم بیان فرمائے ہیں اور ان کے متعلق جو کچھ مدح وقدح کی گئی ہے اور بخاری نے ان کی جن روایتوں کی تخریج کی ہے وہ سب بیان کیا ہے. جن لوگوں کے متعلق کلام کیا گیا ہے ان میں سب سے پہلے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جن کا نام احمد ہے. یہ نو آدمی ہیں ، ان کے بارے میں اختلاف ہے اور ان میں سے اکثر لوگ ایسے ہیں جو بخاری کے شیوخ ہیں اور بخاری نے ان سے ملاقاتیں کی ہیں، انھیں آزمایا ہے. ان میں سے تین کے بارے میں تو یہ واضح ہوا کہ وہ ثقہ ہیں اور جن لوگوں نے ان پر اعتراض کیا ہے ان کا اعتراض ساقط الاعتبار ہے جیسا کہ آپ واضح طور پر فتح الباری کے مقدمہ میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں. اور ان میں سے تین کے بارے میں کلام ہے اور ان میں سے ہر ایک کی بخاری نے ایک ایک روایت متابعت کے طور پر ذکر کی ہے، بخاری (کا طریقہ یہ ہے کہ) ایک ثقہ سے یا اکثر ثقات سے روایت بیان کرتے ہیں اور اس کے ساتھ اس متکلم فیہ شخص سے بھی روایت کر دیتے ہیں؛ اور ان میں سے دو ایسے ہیں کہ ان سے بھی بہت تھوڑی روایتیں متابعت کے طور پر بیان کی ہیں. نو نمبر کے راوی احمد بن عاصم بلخی ہیں ، اصل صحیح میں ان کی کوئی روایت نہیں ہے، صحیح کے رواۃ میں سے ایک صاحب مستملی ہیں جو وراق کے واسطے سے بخاری سے روایت کرتے ہیں انھوں نے کتاب الرقاق کے رفع الامانۃ کے باب میں اپنا یہ قول داخل کر دیا ہے :
فربری نے فرمایا ابو جعفر کہتے ہیں میں نے ابو عبداللہ [بخاری] سے بیان کیا چنانچہ انھوں نے فرمایا : میں نے ابو [جعفر] احمد بن عاصم سے سنا وہ کہتے ہیں میں نے ابو عبید کو کہتے ہوئے سنا کہ اصمعی اور ابو عمرو وغیرہ فرماتے ہیں : جذر قلوب الرجال - میں جذر کہتے ہیں ہر چیز کی اصل کو اور وکت کسی چیز کے اثر کو" .
یہی تحقیق ہے اگرچہ تہذیب اور فتح الباری کے مقدمہ میں ایسی بات ذکر کی گئی ہے جس سے اس کے خلاف محسوس ہوتا ہے " . (دیکھئے فتح الباری ۱۱/۲۸٦) .

جب ان لوگوں کا حال آپ کو معلوم ہو گیا تو اسی پر باقی کو قیاس کر لیجئے اور اگر آپ چاہتے ہیں تو مراجعہ

وبحث کیجئے آپ پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ بخاری ہر طرح کی ملامت سے بری ہیں۔

(الأنوار الكاشفة ص : ۲۵۹ ، ۲٦۰).

آگے احمد امین کی ایک اور عبارت نقل فرماکر اس کا رد کرتے ہیں جو بالکل اسی طرح کی ہے جس طرح پیر زادہ کی یہ عبارت ہے : " لیکن مشکل یہ ہے کہ کتنے ہی راویوں کے بارے میں محدثین کے متضاد اقوال منقول ہیں ". (ص : ۱۸).

فرماتے ہیں : احمد امین نے کہا : " پھر لوگوں نے رجال پر جو حکم لگائے ہیں وہ آپس میں بہت مختلف ہیں کچھ لوگ کسی آدمی کی توثیق کرتے ہیں اور دوسرے لوگ اسی کی تکذیب کرتے ہیں ، اور اس کے جو نفسیاتی اسباب ہیں ان کی تو کوئی حد ہی نہیں ....".

جواب دیتے ہیں : " میں کہتا ہوں : جب عملی طور سے ہم حقیقت پر غور کرتے ہیں تو سارے کھر چھٹ جاتے ہیں، کیا آپ کے لئے یہ کافی نہیں کہ بخاری کے رجال دو ہزار کے قریب ہیں اور ان میں سے (صرف) اسی افراد کے بارے میں اختلاف واقع ہوا اور ان اسی کا حال میں پہلے ہی پیش کر چکا ہوں .

(الانوار ص : ۲٦۰، ۲٦۱).

پیر زادہ صاحب نے مشکل پیش کی ہے اور احمد امین نے بھی مشکل پیش کی ہے : وہ کہتے ہیں : " در حقیقت یہی تو سب سے بڑی مشکل ہے. کیونکہ رواۃ کے اسرار سے آگاہی محال ہے ہاں اگر کسی کی لغزش واضح ہو تو اس پر حکم لگانا آسان ہو جاتا ہے مگر جس کا حال واضح نہ ہو اس کے ساتھ کیا کیا جائے ؟

علامہ یمانی اس مشکل کا حل پیش فرماتے ہیں :

" لوگوں کے احوال، ان کی طبیعتیں، روایتیں اور رواۃ کے احوال کی خبر و تجربہ رکھنے والے انسان پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالی نے حق اور باطل کے درمیان تمیز کے اسباب مہیا فرمادیے ہیں ".

(الانوار : ص : ۲٦۰).

میں کہتا ہوں کہ آپ حضرات کی مشکل یہ ہے کہ آپ اپنی مشکل کو ساری دنیا کی مشکل سمجھتے ہیں . اگر آپ کوتاہ و عاجز اور بے بس و مجبور ہیں تو ساری دنیا تو عجز و بے بسی کا شکار نہیں ہے . آپ کے اندر اگر دم خم نہیں ہے حوصلہ پست ہے، سانس کی آمد و رفت کا نظام تہہ و بالا ہو رہا ہے تو کیا ضروری ہے کہ

زبردستی اپنی مردانگی کا اشتہار کریں. میدان مردوں کے لئے چھوڑ دیجئے اور اپنی دنیا الگ بنائیے.

خلق الله للحرب رجالا ☆ ورجالا لقصعة و ثريد

اللہ تعالی نے کچھ لوگوں کو میدان جنگ کے لئے پیدا کیا ہے اور کچھ لوگوں کو حلوہ پوری کھانے کے لئے.

یہ میدان تو جواں مردوں کا ہے جو اس قدر حوصلہ رکھتے ہیں کہ اگر رات کو کوئی شخص ان کے نبی ﷺ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنے کا ارادہ ہی باندھ رہا ہو کہ صبح ہوتے ہوتے اسے عالم میں رسوا کر دیں. اسی طرح کی بات ابن المبارک رحمہ اللہ نے کہی تھی اور جب ان سے پوچھا گیا کہ "**أما هذه الأحاديث المصنوعة**". ان گڑھی ہوئی حدیثوں کا کیا ہوگا تو انھوں نے فرمایا تھا: "**يعيش لها الجهابذة**" ان کے لئے جینیس لوگ ہوا کریں گے. کیا آپ نے نہیں سنا کہ

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور
الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن ملا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

[illegible]

سحر (جادو) کی تعریف

حافظ بن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " راغب نے کہا: سحر کا اطلاق مختلف معانی پر ہوتا ہے:

۱- ہر لطیف و دقیق شئ کو سحر (جادو) کہا جاتا ہے، اور اسی سے " سحرت الصبی " میں نے بچے کو پھسلایا اور مائل کیا ہے، اور جس شخص نے بھی کسی چیز کو مائل کیا اس نے اس پر سحر کیا اور اسی سے شعراء نے

آنکھوں کا جادو لیا ہے کیونکہ آنکھیں نفوس کو اپنی طرف مائل کر لیتی ہیں اور اسی سے اطباء کا یہ قول ہے کہ طبیعت ساحر ہے، اور اسی سے اللہ تعالی کا یہ قول ہے : ﴿ بل نحن قوم مسحورون ﴾ ہم سحر زدہ لوگ ہیں یعنی معرفت سے پھرے ہوئے ہیں اور اسی سے حدیث ان من البیان سحرا ہے یعنی کچھ بیان جادو ہوتے ہیں .

۲- جو چیزیں دھوکہ اور ایسی تخیلات کے سبب واقع ہوتی ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی جیسا کہ شعبدہ باز جو حرکتیں کرتے ہیں اپنی چابکدستی اور ہاتھ کی صفائی کی وجہ سے ان سے نگاہیں پھیر دیتے ہیں (یعنی آدمی ان کی حرکت کا پتہ نہیں لگا سکتا) اور اللہ تعالی کے اس قول میں اسی کی جانب اشارہ ہے :

﴿ يخيل إليه من سحرهم أنها تسعى ﴾ [طه : ٦٦]

اب تو موسی کو یہ خیال گزرنے لگا کہ جادو کے زور ان کی رسیاں اور لکڑیاں دوڑ بھاگ رہی ہیں .

اور ﴿ سحرو اعين الناس ﴾ [الأعراف : ١١٤] .

لوگوں کی نظر بندی کر دی

اور اسی وجہ سے انھوں نے موسیٰ (علیہ السلام) کو ساحر کہا تھا اور کبھی کبھی اس سلسلے میں ایسی چیزوں سے مدد لی جاتی ہے جن میں کوئی خاصیت ہوتی ہے جیسے وہ پتھر جو لوہے کو کھینچ لیتا ہے جسے مقناطیس کہا جاتا ہے .

۳- جو شیاطین کی مدد سے ہوتا ہے کسی بھی طریقے سے ان کا تقرب حاصل کر کے . اللہ تعالی کے اس قول میں اسی کی جانب اشارہ ہے : ﴿ ولكن الشياطين كفروا يعلمون الناس السحر ﴾ بلکہ یہ کفر شیطانوں کا تھا، وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے . [البقرة : ۱۱۴]

۴- جو ستاروں کو مخاطب کر کے اور ان (ستارہ پرستوں) کے گمان کے مطابق ان کی روحانیات کو حاصل کر کے ہوتا ہے، ابن حزم نے فرمایا : اس کی ایک قسم وہ ہے جو طلسمات کے ذریعہ وجود میں آتی

ہے جیسے وہ مہر جس میں بچھو کی شکل کا نقش ہوتا ہے جو قمر کے عقرب میں ہونے کے وقت ہوتا ہے. اس کا پکڑنا بچھو کے ڈنک مارنے کے سلسلے میں نافع ہے. اور یہ چیز بعض مغربی علاقوں میں مشاہدے میں آچکی ہے اور وہ علاقہ شہر سر قسطہ ہے. یہاں کوئی سانپ کبھی داخل نہیں ہوتا سوائے اس صورت کے جبکہ وہ بلاارادہ وہاں پہنچ جائے. اور کبھی کبھی بعض لوگ ان دونوں آخری امور کو جمع کر لیتے ہیں یعنی شیاطین کی مدد حاصل کرنا اور ستاروں کو مخاطب کرنا اور یہ صورت ان کے گمان کے مطابق زیادہ قوی ہوتی ہے، ابو بکر رازی نے اپنی کتاب " الاحکام " میں فرمایا : اہل بابل ستارہ پرست تھے جو کواکب سبعہ کی پوجا کرتے تھے اور انھیں الٰہ (معبود) کہا کرتے تھے اور یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہے یہی ساتوں ستارے ان میں موثر و فعال ہیں اور یہی وہ قوم ہے جس کے اندر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا. اور ان کے علوم ستاروں کے احکام تھے . اس کے باوجود اس قوم کے جادوگر جادو کی تمام قسموں کا استعمال کرتے تھے اور انھیں ستاروں کے فعل کی طرف منسوب کر دیا کرتے تھے. تاکہ لوگ اس کی تلاش اور جستجو نہ کرنے لگیں اور ان کی چالبازیوں کی قلعی نہ کھل جائے. انتھی . پھر کبھی تو سحر کہہ کر اس سے سحر کرنے کا آلہ مراد لیا جاتا ہے، اور کبھی ساحر کا فعل مراد لیا جاتا ہے، اور آلہ کبھی فقط معنوی چیز ہوتی ہے جیسے منتر اور گرہوں میں پھونکنا اور کبھی اس کا تعلق محسوسات سے ہوتا ہے جیسے مسحور (جس پر جادو کیا گیا) کی صورت پر تصویر بنانا، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ معنوی اور حسی دونوں چیزیں جمع کر دی جاتی ہیں اور یہ زیادہ پر اثر ہے . (فتح الباری ۱۰/ ۲۲۲) .

جادو کی حقیقت

جادو کی حقیقت کے سلسلے میں اختلاف کوئی نیا نہیں ہے بلکہ صدیوں پہلے سے یہ اختلاف چلا آرہا ہے اور ایک گروہ ہمیشہ سے یہ کہتا چلا آرہا ہے کہ جادو کے اندر کوئی حقیقی تاثیر نہیں پائی جاتی یہ تو محض شعبدہ بازی ، ہاتھ کی صفائی ، نظر کا دھوکہ ، اور تخیل و توہم سے زیادہ کچھ نہیں ہے اور دوسرا گروہ اس بات

کا قائل ہے کہ اللہ تعالی کی اجازت سے جادو کے اندر اثر پایا جاتا ہے. اور اس سے آدمی کو نقصان پہنچ سکتا ہے.

چونکہ موجودہ زمانے میں یہ بحث پھر سے بڑے شدومد کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی ہے اور ایک طبقہ پوری شدت کے ساتھ اس بات کا منکر ہے کہ جادو کے اندر کوئی تاثیر ہوتی ہے. اور بات اس سے بھی آگے بڑھ کر صحیح حدیث کے انکار اور قرآن پاک کی بیجا تاویل تک پہنچ چکی ہے. اور چونکہ اس موضوع کا تعلق ہمارے زیر بحث مضمون سے بھی ہے اس لئے ہم آپ کے سامنے اس کے متعلق قدرے تفصیل سے کچھ باتیں پیش کریں گے.

ابن قتیبہ دینوری رحمہ اللہ متوفی ۲۷۶ھ نے جادو کے سلسلے میں معتزلہ کا قول نقل فرمایاہے کہ سحر کے متعلق ان کا خیال یہ ہے کہ وہ ایک قسم کا حیلہ ہے جس کے ذریعہ آدمی کی توجہ اس کے بھائی کی طرف سے پھیر دی جاتی ہے اور اس کے ذریعہ میاں بیوی کے درمیان تفریق کر دی جاتی ہے. اور یہ حیلہ گنڈے (اور ایک روایت کے مطابق چغل خوری) اور جھوٹ جیسی چیزیں ہیں اور انھوں نے کہاکہ یہ منتر ہیں اور اسی کی ایک قسم زہر ہے جو آدمی کو پلایا جاتا ہے تو وہ بیوی سے کٹ جاتا ہے اور یہ زہر اس کی خلقت میں تبدیلی کر دیتا ہے، اس کے سر اور داڑھی کے بال ساقط کر دیتا ہے---یہاں تک کہ فرعون کے جادوگروں نے اپنے کرتب سے موسیٰ علیہ السلام کے اندر ایک خیال پیدا کر دیا تھا---ان کا کہنا ہے کہ ہم اسی طرح سے پارہ لیتے ہیں اور اسے سانپ جیسے ایک ظرف میں رکھ دیتے ہیں پھر اسے گرم جگہ پر چھوڑ دیتے ہیں تو وہ سانپ کی طرح رینگنے لگتا ہے اور کہتے ہیں اس کی دلیل اللہ تعالی کا یہ قول ہے :

﴿ فإذا حبالهم وعصيهم يخيل إليه من سحرهم أنها تسعى ﴾

اب تو موسیٰ کو یہ خیال گزرنے لگا کہ ان کی رسیاں اور لکڑیاں ان کے جادو کے زور سے دوڑ بھاگ رہی ہیں (تأويل مختلف الحديث ص : ۱۲۰).

ایک طبقے کے جادو کی حقیقت کا انکار کرنے کے سبب یہ قضیہ اتنی اہمیت اختیار کر گیا کہ اہل سنت والجماعت کے علماء نے اسے اپنی کتابوں میں جگہ دینی شروع کر دی چنانچہ علامہ ابو القاسم هبة الله اللالکائی رحمہ اللہ متوفی ۴۱۸ھ نے اپنی مشہور کتاب " **شرح اصول اعتقاد اهل السنة والجماعة** " (ص ۱۲۸۳ ج : ٤) میں ایک باب باندھا ہے " **ما روی في أن السحر له حقيقة** " ان روایات کے بیان میں جو اس سلسلے میں وارد ہوئی ہیں کہ سحر کی حقیقت ہوتی ہے . اور شیخ الاسلام امام ابو اسماعیل عبد الرحمٰن الصابونی رحمہ اللہ متوفی ۴۴۹ھ نے اپنی کتاب " **عقیدۃ السلف اصحاب الحدیث** " (ص : ۱۱۴ مطبوعہ دار الفتح) میں " **السحر والسحرة** " جادو اور جادوگروں کے باب کے تحت لکھا ہے " **ويشهدون أن في الدنيا سحرا وسحرة ، إلا أنهم لا يضرون أحدا إلا بإذن الله** " یعنی سلف اصحاب الحدیث اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ دنیا میں جادو اور جادوگروں کا وجود پایا جاتا ہے مگر وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے .

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ متوفی ۸۵۲ھ فرماتے ہیں :

" **واختلف في السحر فقيل : هو تخييل فقط ولا حقيقة له وهذا اختيار أبی جعفر الأسترابازی من الشافعية وابی بكر الرازی من الحنفية وابن حزم الظاهری وطائفة ؛ قال النووی : والصحيح أن له حقيقة وبه قطع الجمهور وعليه عامة العلماء ويدل عليه الكتاب والسنة الصحيحة المشهورة انتهى** .(فتح الباری ج : ۱۰ ص : ۲۲۲) .

یعنی سحر کے متعلق اختلاف واقع ہوا ہے . یہ فقط تخییل (وہم پیدا کر دینا) ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے . اسی قول کو شافعیہ میں سے ابو جعفر استرابازی نے اور حنفیہ میں سے ابو بکر رازی نے اور ابن حزم ظاہری نے اور ایک گروہ نے اختیار کیا ہے؛ نووی (رحمہ اللہ) نے فرمایا : صحیح یہ ہے کہ اس کی حقیقت ہے اور اسی کا فیصلہ جمہور نے دیا ہے اور عام علماء کی یہی رائے ہے اور اسی پر کتاب اور مشہور سنت صحیحہ دلالت کرتے ہیں .

ایک صاحب بزعم خویش جدید قسم کے محققین میں سے ہیں جن کی اللہ تعالی کی قدرت سے اس زمانے میں بڑی کثرت ہے، ان کی تحقیق انیق کے لاجواب نمونے تو ہم آئندہ صفحات میں پیش کریں گے یہاں تو صرف جادو کی حقیقت کے سلسلے میں ایک نقل پیش کرنا مقصود ہے. مگر اس سے پہلے موصوف کا تعارف ان کی کتاب " مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت " کے سرنامے سے پیش خدمت ہے.

"ماہر تاریخ ، محقق و نقاد ، شیخ القرآن و امام الحدیث جناب علامہ ، حافظ ، قاری حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی "

اس پر میں کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتا اور اپنی رائے محفوظ رکھتا ہوں .

الغرض موصوف فرماتے ہیں : " مولینا حفظ الرحمٰن سیوہاروی اپنی قصص القرآن میں سحر کے متعلق لکھتے ہیں :-

اس کے متعلق جمہور علماء اہل سنت کی یہ رائے ہے کہ سحر واقعی ایک حقیقت ہے -اور مضرت رساں اثرات رکھتا ہے - حق تعالی نے اپنی حکمت بالغہ اور مصلحت کاملہ کے پیش نظر اس میں اسی طرح مضر اثرات رکھ دیئے ہیں جس طرح زہر میں یا دوسری نقصان رساں ادویہ میں - یہ نہیں کہ " سحر قدرت الٰہی سے بے نیاز ہو کر " العیاذ باللہ خود موثر بالذات ہے - کیونکہ یہ عقیدہ تو کفر خالص ہے -اور امام اعظم ابو حنیفہ ، ابو بصاص صاحب احکام القرآن ابو اسحٰق اسفرائینی شافعی علامہ ابن حزم ظاہری اور معتزلہ کہتے ہیں کہ سحر کی حقیقت شعبدۂ نظر بندی اور فریب خیال کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے -بلاشبہ وہ باطل اور بے حقیقت شئ ہے- قصص القرآن ج ا ص ۲۲۴ .

اس کے بعد مولینا حفظ الرحمٰن نے اس کے ثبوت کے لئے چند عبارتیں پیش فرمائیں - لیکن ہمارا سوال یہ ہے کہ جو حضرات سحر کی کوئی حقیقت نہیں مانتے، جیسے امام ابو حنیفہ یا علامہ بن حزم وغیرہ ان کے نزدیک تو یہ روایات باطل قرار پائیں کیونکہ جو لوگ سحر کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے -وہ حضور کے سلسلہ میں اس امر کو کیسے تسلیم کر سکتے ہیں -اور حیرت تو احناف پر ہے کہ حنفی ہونے کا دعوی کرتے اور ابو حنیفہ کی مخالفت بھی کرتے ہیں - فیا للعجب - " (کتاب مذکور ج ۲ ص : ۹۳) .

پیر زادہ صاحب کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے کہ فریب نظر سے زیادہ جادو کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی. چنانچہ دعوۃ القرآن ج۱ص ۵۴۱ حاشیہ ۱۶۹ میں معجزہ اور جادو کے فرق کے تحت لکھتے ہیں :
"جادو کسی چیز کی حقیقت اور ماہیت کو تبدیل نہیں کرتا بلکہ وہ محض نظر کا فریب ہوتا ہے ......".
اور جلد ۲ ص : ۱۰۷۷ حاشیہ ۴۳ میں لکھتے ہیں : " معلوم ہوا کہ جادو کسی چیز کی ماہیت کو نہیں بدلتا بلکہ محض فریب نظر اور فریب خیال ہے جادوگروں کی رسیاں واقعی سانپ نہیں بن گئی تھیں بلکہ ایسا دکھائی دے رہا تھا کہ وہ سانپ کی طرح دوڑ رہی ہیں .

مذکورہ بالا نقول سے یہ بات واضح ہوگئی کہ سحر کی حقیقت کے بارے میں اختلاف قدیم ہے اور نئے دور میں بھی یہ اختلاف موجود ہے خود میرے سامنے کچھ ایسے لوگ آئے ہیں جو سحر کی حقیقت کا انکار کرتے اور اسے فریب خیال اور ہاتھ کی صفائی سے زیادہ کوئی حیثیت دینے کو تیار نہیں ہیں. لہٰذا ہم مندرجہ ذیل سطور میں دونوں فریق کے دلائل کا جائزہ لیں گے .

منکرین تاثیر سحر کے دلائل

منکرین کا جو طبقہ علم دین کی شدبد رکھتا ہے اس کی سب سے بڑی اور مستحکم دلیل قرآن پاک کی یہ آیت ہے ﴿ فإذا حبالهم وعصيهم يخيل إليه من سحرهم أنها تسعى ﴾ اب تو موسیٰ کو یہ خیال گزرنے لگا کہ ان کی رسیاں اور لکڑیاں ان کے جادو کے زور سے دوڑ بھاگ رہی ہیں.
ابن قتیبہ رحمہ اللہ نے معتزلہ کے بارے میں نقل فرمایا ہے کہ وہ جادو کے فریب نظر ہونے کی دلیل میں اسی آیت کو پیش کرتے ہیں ان کی عبارت یہ ہے : " وقالوا من الدليل على ذلك قول الله تعالى ﴿ فإذا حبالهم وعصيهم يخيل إليه من سحرهم أنها تسعى ﴾ - إنما هو تخييل وليس ثم شيئ على حقيقته - (تأويل مختلف الحديث ص : ۱۲۰) .

یہ تو رہی علمی طبقے کی بات مگر اس طبقہ کے عوام اس وجہ سے جادو کا انکار کرتے ہیں کہ اس کی کوئی سائنٹفک توجیہ نہیں کی جاسکتی اور حقیقت یہ ہے کہ یہ بات پورے طبقے میں قدر مشترک کے طور پر پائی جاتی ہے . بعض لوگ تو اپنی دلیل میں یہاں تک کہتے ہیں کہ جادو ہم پر کیوں اثر نہیں کرتا؟ کوئی ہم پر جادو کر کے دکھائے .

پہلی دلیل کا جواب

جادو کی تعریف میں یہ بات گزر چکی ہے کہ شعبدہ بازی اور فریب نظر و خیال کو بھی جادو کہا جاتا ہے . اور اس آیت میں تقریبا جادو کی اسی قسم کا ذکر کیا گیا ہے، مگر اس آیت میں کہیں اس بات کی تردید نہیں پائی جاتی کہ جادو کی اس کے علاوہ کوئی حقیقت یا صورت ہو سکتی ہے . رہی یہ بات کہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جو جادو پیش کیا گیا وہ از قسم تخیل تھا تو اس کا انکار کوئی نہیں کرتا . ابن قتیبہ رحمہ اللہ نے فرمایا :

" وأما قولهم في السحر الذى رآه موسى ﷺ أنه تخييل إليه وليس على حقيقته فما ننكر هذا ولا ندفعه ...." . (تأويل مختلف الحديث ص ١٢١) .

معتزلہ کا یہ کہنا کہ موسیٰ ﷺ نے جو سحر ملاحظہ فرمایا تھا وہ فریب خیال تھا تو ہمیں اس کا انکار نہیں ہے .

دوسری دلیل کا جواب

اس سلسلے میں اپنی طرف سے کوئی بات کہنے کے بجائے میں چاہتا ہوں کہ مولانا مودودی صاحب رحمہ اللہ کی ایک عبارت پیش کروں جو اسی شبہ کی تردید میں ہے اور بہت عمدہ اور تشفی بخش ہے . جزاہ اللہ خیرا .
مولانا فرماتے ہیں : " اس سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جو لوگ جادو کو محض اوہام کے قبیل کی چیز قرار دیتے ہیں ان کی یہ رائے صرف اس وجہ سے ہے کہ جادو کے اثرات کی کوئی سائنٹفک توجیہ نہیں کی

جا سکتی. لیکن دنیا میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو تجربے اور مشاہدے میں آتی ہیں، مگر سائنٹفک طریقہ سے یہ بیان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کیسے رونما ہوتی ہیں. اس طرح کی توجیہ پر اگر ہم قادر نہیں ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس چیز ہی کا انکار کر دیا جائے جس کی ہم توجیہ نہیں کر سکتے. جادو دراصل ایک نفسیاتی اثر ہے جو نفس سے گزر کر جسم کو بھی اسی طرح متاثر کر سکتا ہے جس طرح جسمانی اثرات جسم سے گزر کر نفس کو متاثر کرتے ہیں. مثال کے طور پر خوف ایک نفسیاتی چیز ہے مگر اس کا اثر جسم پر یہ ہوتا ہے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور بدن میں تھرتھری چھوٹ جاتی ہے..............".

(تفہیم القرآن ج٦ ص٥٥٦).

مولانا مودودی صاحب کی مذکورہ بالا عبارت میں نے اس لئے نقل کی ہے کہ وہ بھی بعض احادیث کو بلا ضابطہ محدثین رد کرنے میں پیر زادہ صاحب ہی کے مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں یا یوں کہا جائے کہ پیر زادہ صاحب انھیں کے مکتب فکر سے متعلق ہیں. مگر اس کے باوجود ان کی عقل کو اس حقیقت سے کوئی گرانی محسوس نہیں ہوئی .

مثبتین کے دلائل

جادو کی تاثیر کے قائل حضرات کے دلائل کو پیش کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بات کی وضاحت کر دی جائے کہ تاثیر سے ان کی کیا مراد ہے اور جادو کس حد تک موثر ہوتا ہے؟.

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں : " لكن محل النزاع هل يقع بالسحر انقلاب عين أو لا ؟ فمن قال أنه تخييل فقط منع ذلك ، ومن قال إن له حقيقة اختلفوا هل له تاثير فقط بحيث يغير المزاج فيكون نوعا من الأمراض أو ينتهى إلى الإحالة بحيث يصير الجماد حيوانا مثلا وعكسه ؟ فالذى عليه الجمهور هو الأول ، وذهبت طائفة قليلة إلى الثانى . فإن كان بالنظر إلى القدرة الإلهية فمسلم و إن كان بالنظر إلى الواقع فهو محل الخلاف ، فإن

كثيرا ممن يدعي ذلك لا يستطيع إقامة البرهان عليه ". (فتح البارى ١٠ / ٢٢٢) .
مگر اختلاف اس چیز میں واقع ہوا ہے کہ جادو سے انقلاب عین واقع ہوتا ہے یا نہیں تو جن لوگوں نے اسے محض فریب خیال قرار دیا ہے انھوں نے تو اس کا انکار کیا ہے اور جن لوگوں نے جادو کی حقیقت کو تسلیم کیا ہے ان کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا اس کے اندر صرف ایک طرح کی تاثیر ہوتی ہے جس سے مزاج بدل جاتا ہے لہذا یہ ایک طرح کا مرض ہے یا اس کے اندر اس چیز کی حالت کو اس طرح تبدیل کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے کہ مثال کے طور پر جماد حیوان ہو جائے یا بالعکس (یعنی حیوان پتھر بن جائے)؟ تو جمہور کی رائے پہلی ہے اور دوسری رائے ایک مختصر سی جماعت نے اختیار کی ہے (تو یہ دوسری رائے) اگر قدرت الٰہیہ کے اعتبار سے ہو تب تو مسلم ہے، اور اگر امر واقع کے اعتبار سے ہو تو محل اختلاف ہے اس لئے کہ بہت سے لوگ جو اس کا دعوی کرتے ہیں وہ اس پر دلیل نہیں قائم کر سکتے.

خلاصہ : یہ ہے کہ سحر کے اندر تاثیر کا پایا جانا سوائے چند شاذ لوگوں کے اکثریت کے نزدیک مسلم ہے اور یہ نہ تو سراب اور شعبدہ بازی کی طرح محض فریب خیال و نظر ہے اور نہ ہی اس کے اندر یہ صلاحیت پائی جاتی ہے کہ وہ کسی شیئ کی حقیقت کو یکسر بدل دے یعنی مثال کے طور پر انسان کو بندر بنادے یا کسی پتھر کو کتا بنادے وغیرہ وغیرہ . اس کے اندر تاثیر کے پائے جانے کا مطلب یہ ہے کہ جادو کسی شیئ کے مزاج میں اللہ تعالی کی اجازت سے تبدیلی پیدا کر سکتا ہے مثلا ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی کے پیٹ میں درد ہونے لگے یا کسی کا دماغ متاثر ہو جائے یہاں تک کہ کوئی آدمی اس سے قتل بھی ہو سکتا ہے. اور یہ چیز نہ تو عقلا مستبعد ہے نہ شرعا. حافظ بن قیم رحمہ اللہ متوفی ۷۵۱ھ سورۂ فلق کی تفسیر میں فرماتے ہیں : " وقد دل قوله تعالى : ﴿ من شر النفاثات في العقد ﴾ وحديث عائشة المذكور على تاثير السحر وأن له حقيقة وقد أنكر ذلك طائفة من أهل الكلام من المعتزلة و غيرهم .

وقالوا : إنه لا تاثير للسحر البتة لا في مرض ولا قتل ولا حل ولا عقد . قالوا : وإنما ذلك

تخييل لأعين الناظرين لا حقيقة له سوى ذلك . وهذا خلاف ما تواترت به الآثار عن الصحابة والسلف واتفق عليه الفقهاء وأهل التفسير والحديث وما يعرفه العقلاء ......".

(بدائع الفوائد ٢ / ٢٥٣) .

اللہ تعالیٰ کا قول ﴿من شر النفاثات في العقد﴾ اور حضرت عائشہ کی مذکورہ حدیث - یعنی رسول اللہ ﷺ پر جادو والی حدیث جسے وہ ذکر کر چکے - سحر کی تاثیر اور اس کی حقیقت پر دلالت کرتے ہیں.

اور معتزلہ وغیرہ میں سے اہل کلام کی ایک جماعت نے اس کا انکار کیا ہے. وہ اس بات کے قائل ہیں کہ سحر کے اندر قطعی کوئی تاثیر نہیں پائی جاتی نہ مرض میں نہ قتل میں نہ حل وعقد میں . وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ تو صرف دیکھنے والوں کی آنکھوں کا فریب خیال ہے، اس کے سوا اس کی کوئی حقیقت نہیں.

یہ نظریہ صحابہ اور سلف سے متواتر آثار کے خلاف ہے، اور فقہاء اور اہل تفسیر وحدیث اور عقلاء کی معروفات کا اسی پر اتفاق ہے ....

علامہ بدر الدین عینی حنفی رحمہ اللہ متوفی ۸۵۵ھ بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں :

" أى هذا باب في بيان السحر وأنه ثابت محقق ولهذا أكثر البخارى في الاستدلال عليه بالآيات الدالة عليه والحديث الصحيح وأكثر الأمم من العرب والروم والهند والعجم على أنه ثابت وحقيقة موجودة وله تاثير ولا استحالة في العقل في أن الله تعالى يخرق العادة عند النطق بكلام ملفق أو تركيب أجسام ونحوه على وجه لا يعرفه كل أحد وأما تعريف السحر فهو أمر خارق للعادة صادر عن نفس شريرة لا يتعذر معارضته وأنكر قوم حقيقته وأضافو ما يقع منه إلى خيالات باطلة لا حقيقة لها .... والصحيح قول كافة العلماء يدل عليه الكتاب والسنة " . (عمدة القارى ٢١ / ٢٧٦) .

یہ باب ہے سحر کے بیان میں اور وہ ثابت ہے محقق ہے اسی لئے بخاری (رحمہ اللہ) نے اس پر دلالت کرنے والی آیات اور صحیح احادیث کے ذریعہ استدلال کرنے میں کثرت کا مظاہرہ فرمایا ہے اور اکثر امتوں عرب، روم، ہند اور عجم کے نزدیک یہ ثابت اور موجود حقیقت ہے اور عقلا یہ چیز محال نہیں ہے کہ اللہ

تعالیٰ کسی باطل سے مزین کلام کے نطق کے وقت یا چند اجسام کو ترکیب دینے اور اسی طرح کی حرکتوں پر ایسے طریقے سے خرق عادت فرمائے جسے ہر آدمی نہ جان سکے، اور سحر کی تعریف یہ ہے کہ وہ خارق عادت شیئ ہے جو شریر نفس سے صادر ہوتا ہے اور اس کے مقابلے میں اسی جیسی چیز کا پیش کردینا دشوار نہیں ہوتا۔ اور کچھ لوگوں نے اس کی حقیقت کا انکار کیا ہے اور جو کچھ اس کی وجہ سے واقع ہوتا ہے اسے باطل خیالات کی طرف بنسوب کیا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی............اور جمہور علماء کا قول ہی صحیح ہے جس پر کتاب وسنت دلالت کرتے ہیں ۔

قرآنی دلائل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿واتبعو ما تتلوا الشياطين على ملك سليمان وما كفر سليمان ولكن الشياطين كفروا يعلمون الناس السحر وما أنزل على الملكين ببابل هاروت وماروت وما يعلمان من أحد حتى يقولا إنما نحن فتنة فلا تكفر ط فيتعلمون منهما ما يفرقون به بين المرء وزوجه طوما هم بضارين به من أحد إلا بإذن الله طويتعلمون ما يضرهم ولا ينفعهم ط﴾ الآية . (سورة البقرة : ١٠٢)

اور اس چیز کے پیچھے لگ گئے جسے شیاطین (حضرت) سلیمان کی حکومت میں پڑھتے تھے ، سلیمان نے کفر نہ کیا تھا بلکہ یہ کفر شیطانوں کا تھا، وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے اور بابل میں ہاروت وماروت دو فرشتوں پر جو اتارا گیا تھا۔ وہ دونوں بھی کسی شخص کو اس وقت تک نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیں کہ ہم تو ایک آزمائش ہیں تو کفر نہ کر، پھر لوگ ان سے وہ سیکھتے جس سے خاوند وبیوی میں جدائی ڈال دیں، اور در اصل وہ بغیر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے یہ لوگ وہ سیکھتے ہیں جو انھیں نقصان پہنچائے اور نفع نہ پہنچا سکے۔

اس آیت کی تفسیر میں تقریبا تمام مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد شیاطین نے کسی بھی طریقے سے (اگرچہ ان طریقوں کے متعلق مفسرین کا اختلاف ہے مگر سبھی

اس بات پر متفق ہیں کہ شیاطین نے) یہ بات پھیلادی تھی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جادوگر تھے اور اپنے جادو ہی کے زور پر جن وانس پر حکومت کیا کرتے تھے ۔ اور یہی بات یہود کے یہاں شائع تھی. چنانچہ اللہ تعالی نے ان آیات کے ذریعہ ان کی تردید فرمائی اور اس بات کو واضح فرمایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ایک برگزیدہ اور اطاعت شعار نبی تھے اور یہودیوں کے یہاں ان کے بارے میں جو نظریہ پایا جاتا ہے وہ غلط اور باطل ہے. اور وما کفر سلیمان کے ذریعہ اسی کی جانب اشارہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام جادو جیسی چیز سے جو کفر ہے بری تھے. پھر اللہ تعالی نے اس حقیقت کو واضح فرمایا کہ جادو جیسے کفر کا سرچشمہ تو شیاطین ہیں جو یہ قبیح چیز لوگوں کو سکھاتے ہیں اور یہود اپنی اخلاقی گراوٹ اور پستی کے سبب کتاب اللہ کو پس پشت ڈال کر اسی سفلی اور رذیل علم کے پیچھے پڑے ہیں جو کفر ہے اور یہ کفر وہ شیاطین سے سیکھتے ہیں اور ہاروت وماروت فرشتوں کی طرف جو چیز بطور آزمائش نازل ہوئی ہے اس کے پیروکار ہیں جبکہ یہ دونوں فرشتے واضح طور پر انھیں اس بات کی تنبیہ کیا کرتے تھے کہ دیکھو یہ چیز تم نہ سیکھو کیونکہ یہ کفر ہے ہم تو تمہارے لئے امتحان و آزمائش کے طور پر مقرر کئے گئے ہیں.

مگر چونکہ وہ اس قدر جہالت وضلالت کا شکار ہو کر اخلاقی قدروں سے دور جا پڑے تھے کہ یہ باتیں اور یہ تنبیہات ان پر قطعی اثر انداز نہیں ہوتی تھیں اور وہ ہر طرح کے عقاب وعذاب سے بے نیاز ہو کر ان سے وہ چیز کسی بھی قیمت پر حاصل کر لیا کرتے تھے جس کے ذریعہ وہ میاں بیوی کے درمیان جدائی پیدا کر سکیں. اور ظاہر سی بات ہے کہ یہ علم ہر چند کہ ان کے لئے تھوڑے بہت دنیاوی فوائد اور ان کے منحرف نفوس کی تسکین کا سامان پیدا کر دیتا ہو مگر انجام کے اعتبار سے ان کے لئے سراسر گھاٹے اور خسران کا باعث تھا. اور اس کے سیکھنے کا کوئی یقینی فائدہ بھی نہیں اس لئے کہ اس کا اثر اللہ تعالی کی مشیت پر منحصر ہے.

ہاروت وماروت فرشتوں کے سلسلے میں بہت سی کہانیاں مشہور ہیں مگر حافظ بن کثیر رحمہ اللہ متوفی ۷۷۴ھ ان میں سے بہت سارے واقعات کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

" وحاصلها راجع في تفصيلها إلى أخبار بني اسرائيل إذ ليس فيها حديث مرفوع صحيح متصل الإسناد إلى الصادق المصدوق المعصوم الذى لا ينطق عن الهوى ، وظاهر سياق القرآن إجمال القصة من غير بسط ولا إطناب فنحن نؤمن بما ورد في القرآن على ما أراده الله تعالى ، والله أعلم بحقيقة الحال ". (تفسير ابن كثير ج۱ ص ۱۹۸) .

یعنی حاصل یہ ہے کہ ان تمام واقعات کا مرجع اسرائیلی روایات ہیں اور ان کے متعلق کوئی مرفوع، صحیح اور متصل الاسناد روایت نہیں پائی جاتی جس کا سلسلہ صادق ومصدوق اور ان معصوم تک پہنچتا ہو جو ہوائے نفسانی سے کچھ نہیں کہا کرتے ،اور قرآن کا ظاہری سیاق بلابسط وطوالت کے قصے کا اجمال ہے لہذا جو کچھ قرآن میں وارد ہوا ہے ہم اس پر اللہ تعالی کی مراد کے مطابق ایمان لاتے ہیں (یعنی جو کچھ اس نے ہمیں بتایاہے اس پر ہمارا ایمان ہے اور تفصیل اللہ تعالی کے حوالے) اور اللہ تعالی کو حقیقت حال کا زیادہ علم ہے .

اللہ تعالی نے یہود کے جادو سیکھنے کے دو مصادر و مراجع بتائے ہیں .

۱- شیاطین .

۲- ہاروت وماروت نامی دو فرشتے جو بطور ابتلاء و آزمائش کے سکھایا کرتے تھے .

ان دونوں کے فرشتہ ہونے کو بعض لوگوں نے تسلیم نہیں کیاہے. یہ حضرات " وما أنزل على الملكين ببابل هاروت وماروت " کو وما کفر سلیمان پر عطف مانتے ہیں اور وما أنزل میں ما کو نافیہ مانتے ہیں یعنی نہ تو سلیمان علیہ السلام نے کفر کیا نہ دونوں فرشتوں پر جادو نازل ہوا . اور ہاروت وماروت کو شیاطین سے بدل مانتے ہیں، اس وقت معنی یہ ہو گا کہ لوگوں کو بابل میں شیاطین ہاروت وماروت جادو سکھاتے ہیں . اور آیت میں جن دو فرشتوں سے جادو سکھانے کی نفی کی گئی ہے وہ جبرئیل ومیکائیل ہیں. حافظ بن کثیر رحمہ اللہ نے یہ تاویل قرطبی اور کچھ دیگر لوگوں سے بھی نقل فرمائی ہے مگر ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اس تاویل پر سخت نکیر کی ہے اور اس کی پرزور تردید فرمائی ہے. اور بعض لوگوں نے کہا کہ ہاروت

وماروت جنوں کی دو جماعت ہیں جیسا کہ ابن حزم نے گمان کیا ہے. اور بعض لوگوں نے ما أنزل علی الملکین لام کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور کہا کہ یہ دونوں بابل کے زمیندار تھے.
(دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج۱ ص ۱۹۲ از مکتبہ دار السلام ریاض) .
ابن قتیبہ رحمہ اللہ نے بھی اس طرح کی تاویلات کی تردید فرمائی ہے. انھوں نے معتزلہ سے اسی طرح کی تاویل نقل کرنے کے بعد فرمایا : اس طرح کی دور از کار اور اوندھی سیدھی تاویلات ان لوگوں سے کچھ مستبعد نہیں ہے . ان کی عبارت یہ ہے : " فلیس هذا بمنکر من تأویلاتهم المستحیلة المنکوسة ". (تأویل مختلف الحدیث ص : ۱۲۳) .

علامہ شوکانی فرماتے ہیں :

"لعل وجه الجزم بهذا التأويل مع بعده وظهور تكلفه تنزيه الله سبحانه أن ينزل السحر إلى أرضه فتنة لعباده على ألسن ملائكته . وعندي أنه لا موجب لهذا التعسف المخالف لما هو الظاهر ، فإن لله سبحانه أن يمتحن عباده بما شاء كما امتحن بنهر طالوت ، و لهذا يقول الملكان : ﴿ إنما نحن فتنة ﴾ " . (فتح القدير ج۱ ص : ۱۸۸) .
اس تاویل کے بعد اور واضح تکلف کے باوجود قطعیت کے ساتھ اس طرح کی تاویل کرنے کی وجہ شاید یہ ہے کہ وہ اللہ تعالی کو اس بات سے منزہ قرار دینا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے بندوں کی آزمائش کے لئے اپنی زمین پر فرشتوں کی زبان پر جادو نازل فرمائے اور میری رائے یہ ہے کہ اس زبردستی کی تاویل کی کوئی ضرورت نہیں ہے جب کہ یہ آیت کے ظاہری معنی کے مخالف ہے. اس لئے کہ اللہ تعالی جس طرح چاہے اپنے بندوں کا امتحان لے سکتا ہے جیسا کہ اس نے نہر طالوت کے ذریعہ آزمایا . اور یہی وجہ ہے کہ یہ دونوں فرشتے کہا کرتے تھے : " ہم دونوں آزمائش کے لئے ہیں ".

سلف وخلف میں سے زیادہ تر مفسرین نے ان دونوں کو فرشتہ ہی تسلیم کیا ہے. حافظ بن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں : " وذهب كثير من السلف إلى أنهما كانا ملكين من السماء ، وأنهما أنزل إلى

الأرض ، فكان من أمرهما ما كان " . (تفسير ابن كثير ج١ ص : ١٩٣) .
بہت سے سلف اسی جانب گئے ہیں کہ وہ دونوں آسمان کے فرشتے تھے اور انھیں زمین کی طرف نازل کیا گیا تھا پھر ان کے ساتھ جو کچھ ہوا ہوا ....

حاصل کلام یہ ہے کہ ان کا فرشتہ ہونا یا ان کی طرف جادو کا نازل کیا جانا یا ان کا جادو سکھانا ان میں سے کوئی چیز نہ تو عقلا مستبعد ہے نہ شرعا. ابلیس نے بڑی عبادت گزاری کی یہاں تک کہ فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا مگر اللہ تعالی کے سابق علم کے مطابق وہی ہوا جو قرآن نے مختلف مقامات پر تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے اور یہ ذات ملعون اور اس کی ذریت بنی آدم کے لئے کتنی بڑی آزمائش وابتلا کا ذریعہ بنی یہ کسی مسلمان پر مخفی نہیں. مگر ان تمام حقائق کے باوجود کچھ لوگوں کی عقل نے جادو کے سلسلے میں اس بات کو قبول نہیں کیا اور قرآن پاک کی صریح آیات میں دور از کار تاویلات اور کھینچ تان کر انھیں اپنے خیالات اور نظریات کے مطابق بنانے کی نازیبا کوششیں کیں .

پیرزادہ صاحب نے بھی اس آیت میں ما کو نافیہ مانا ہے اور اسی طرح کے بے جا تعسف کا شکار ہوئے ہیں جس کا بیان علامہ شوکانی اور ابن قتیبہ رحمہما اللہ کے بیان میں گزر چکا ہے . چنانچہ عام مترجمین معانی قرآن سے الگ ہٹ کر انھوں نے آیت کے معنی کا ترجمہ یوں کیا ہے : " اور ان چیزوں کے پیچھے پڑ گئے جو شیاطین سلیمان کی حکومت کی طرف منسوب کر کے پڑھتے پڑھاتے تھے حالانکہ سلیمان نے کفر نہیں کیا بلکہ شیطانوں نے کفر کیا جو لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور بابل میں دو فرشتوں ہاروت وماروت پر (جادو) نازل نہیں کیا گیا اور وہ کسی کو سکھاتے نہ تھے جب تک کہ اس کو متنبہ نہ کرتے کہ ہم آزمائش کیلئے ہیں لہذا تم کفر میں نہیں پڑنا ....(دعوۃ القرآن) .
موصوف کے اس ترجمے کے مطابق فرشتوں کی طرف جادو کے نزول کی نفی کی گئی ہے مگر یہ بات مسلم ہے کہ وہ دونوں فرشتے تھے اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے. صرف یہ بات تسلیم نہیں کی گئی ہے کہ اللہ تعالی نے جادو اتارا ہو اس لئے کہ ان کی تیز عقل اس بات کو قبول نہیں کر

پار ہی ہے کہ اللہ تعالی نے ایسی قبیح چیز اتاری ہو گی۔ حالانکہ اللہ تعالی نے ابلیس کو پیدا فرمایا۔ بہت ساری حرام چیزیں اس دنیامیں موجود ہیں جن کا خالق اللہ تعالی ہے، جنت میں ا للہ تعالی نے وہ درخت اگایا تھا جس کے قریب جانے سے آدم وحوا علیہما السلام کو منع فرمایا تھا۔ تو جس طرح اللہ تعالی نے یہ تمام چیزیں امتحان و آزمائش کے طور پر بنائیں ہیں اسی طرح جادو کو بطور امتحان نازل فرمانے سے کون سی چیز مانع ہے اور ایسا کیوں نہیں ہو سکتا ؟ آخر کیا اشکال ہے؟۔

جبکہ آپ کا ترجمہ بھی عربی سیاق کلام کے مخالف ہے اور اسی مقام پر آپ نے امام رازی کے حوالے سے کچھ لوگوں کے علی ملک سلیمان کے معنی کے ترجمہ کو غلط قرار دیا ہے تو اپنی اصلاح کرنا کیوں بھول گئے ؟

﴿ فيتعلمون منهما ما يفرقون به بين المرء وزوجه ﴾

مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالی نے فرمایا کہ وہ لوگ ان دونوں فرشتوں سے ایسا علم سیکھتے ہیں کہ جس کے ذریعہ زن وشوہر میں جدائی پیدا کر دیتے ہیں۔ ظاہر سی بات ہے کہ یہ جدائی جو واقع ہوتی تھی وہ از قبیل خرق عادت تھی ورنہ اگر ظاہری اسباب مثل لگائی بجھائی وغیرہ کے قبیل سے ہوتی تو اتنے اہتمام کے ساتھ اسے سیکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس طرح کی مہارت تو اکثر لوگوں کو جو اس طرح کے کاموں میں دلچسپی رکھتے ہیں محض تجربے اور مشاقی سے حاصل ہو جاتی ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ جادو موثر ہے اور محض فریب خیال نہیں ہے۔

بعض لوگوں نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ جادو کی تاثیر بس اتنی ہی ہے جتنی اللہ تعالی نے اس آیت میں بیان فرمائی ہے کیونکہ یہ مقام مقام تہویل ہے یعنی اس کی قباحت بیان کرنے کا موقعہ ہے اور اگر اس سے زیادہ اس کے اندر کوئی اثر پایا جاتا تو اللہ تعالی اسے ضرور ذکر فرماتا۔ حافظ بن حجر نے یہ کلام ذکر کرنے کے بعد فرمایا : " قال المازری والصحيح من جهة العقل أنه يجوز أن يقع به أكثر من ذلك ، والآية ليست نصا في منع الزيادة ، ولو قلنا ظاهرة في ذلك ".

(فتح الباری ١٠ / ٢٢٣).

مازری نے کہا کہ عقل کی رو سے یہ جائز ہے کہ اس سے زیادہ واقع ہو (یعنی اس سے بڑا اثر ہو) فرمایا :
آیت منع زیادتی کے بارے میں نص نہیں ہے اگر چہ اس کے متعلق ظاہر ہے.
اور احادیث و آثار سے زیادتی تو یقینی طور پر ثابت ہے جس کا ذکر ہم آگے کریں گے.

﴿ وما هم بضارين به من أحد إلا بإذن الله ﴾

وہ اس کے ذریعہ اللہ کے اذن کے بغیر کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے

سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا : مگر قضائے الٰہی سے . اور محمد بن اسحاق فرماتے ہیں : اگر اس کے اور اس کی مراد کے درمیان اللہ تعالی چھوٹ دے دے . اور حسن بصری رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں : ہاں ! جس کے اوپر اللہ چاہے انھیں مسلط کر دے اور جس کے اوپر نہ چاہے نہ مسلط کرے وہ اللہ تعالی کی اجازت کے بغیر کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے . (تفسیر ابن کثیر ۱/۲۰۰) .

علامہ عبد الرحمٰن بن یحییٰ المعلمی الیمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : .... **أن الأفعال التي من شأنها أن تؤثر ضربان : الأول ما أذن الله تعالى بتأثيره إذنا مطلقا ، ثم إذا شاء منعه ، وذلك كالإتصال بالنار مأذون فيه بالإحراق فيه إذنا مطلقا ، فلما أراد الله تعالى منعه قال : يا نار كوني بردا وسلاما على إبراهيم .**

الضرب الثاني ما هو ممنوع من التاثير منعا مطلقا ، فإذا اقتضت الحكمة أن يمكن من التأثير رفع المنع فيؤثر . وقوله تعالى في السحر : ﴿ وما هم بضارين به من أحد إلا بإذن الله ﴾ يدل أنه من الضرب الثاني ، وأن المراد بالإذن الإذن الخاص ، والحكمة في مصلحة الناس تقتضي هذا ، والواقع في شئونهم يشهد له . وإذ كان هذا حاله فلا غرابة في خفاء وجه التأثير علينا . (الأنوار الكاشفة : ٢٥٠) .

یعنی جو افعال اثر انداز ہوتے ہیں وہ دو طرح کے ہیں پہلی قسم تو وہ ہے جس کے اثر انداز ہونے کی اللہ

تعالی نے مطلق اجازت دے رکھی ہے پھر جب چاہتا ہے اسے موثر ہونے سے روک دیتا ہے . اس کی مثال آگ ہے کہ اللہ تعالی نے اسے جلانے کی مطلق اجازت دے رکھی ہے پھر جب چاہتا ہے تو اسے جلانے سے روک دیتا ہے فرمایا : ☆ہم نے کہا اے آگ ! ٹھنڈک اور سلامتی بن جا ابراہیم پر☆ . دوسری قسم وہ ہے جسے اثر انداز ہونے سے مطلق روک دیا گیا ہے، پھر جب مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے کہ اسے تاثیر عطا کردی جائے تو یہ روک ہٹالی جاتی ہے لہذا موثر ہو جاتی ہے . اور اللہ تعالی کا جادو کے بارے میں فرمانا کہ ☆وہ اس کے ذریعہ اللہ کی اذن کے بغیر کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے ☆اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ دوسری قسم میں سے ہے، اور (یہاں) اذن سے مراد اذن خاص ہے، اور لوگوں کی مصلحت کے متعلق حکمت کا تقاضا یہی ہے، اور ان کے معاملات میں حقیقت حال اسی کی شہادت دیتی ہے، اور جب اس کا یہی حال ہے تو ہمارے اندر اس کے اثر انداز ہونے کی صورت کا مخفی رہ جانا کوئی تعجب خیز نہیں ہے .

دیکھئے کیسی حکیمانہ عبارت ہے اور صاحب عبارت کے علمی تعمق اور فقہی بصیرت کی واضح دلیل اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی طویل خدمت کا نتیجہ . ایسا تفقہ جو اللہ تعالی کے خاص فضل وانعام کا منہ بولتا ثبوت ہے . اور اس عبارت میں ان لوگوں کا بھی جواب آگیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جادو ان پر اثر انداز کیوں نہیں ہوتا . دیگر آیات سے بھی اس موضوع پر استدلال کیا جاسکتا ہے اور اس سلسلے میں بہت سی باتیں عرض کی جاسکتی ہیں مگر طوالت کے خوف سے انھیں نظر انداز کیا جاتا ہے . اگر مستقبل میں اس کی ضرورت پڑی تو انشاءاللہ دیگر دلائل قرآنی بھی پیش کردئے جائیں گے .

احادیث کے دلائل

١- بخاری مسلم اور بہت سارے محدثین نے یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا گیا اور اس کا اثر آپ پر یہ ہوا کہ آپ کو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ نے اپنی بیویوں سے صحبت فرمائی ہے مگر

حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا تھا. اس حدیث پر بحث انشاء اللہ ہم آگے چل کر کریں گے.

۲- حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: " **سمعت رسول الله ﷺ يقول: من تصبح سبع تمرات عجوة لم يضره ذلك اليوم سم ولا سحر". (بخاری كتاب الطب)**
میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو صبح صبح سات عجوہ کھجوریں کھائے گا اس دن اسے کوئی زہر اور جادو نقصان نہ پہنچا سکے گا.
اس حدیث میں اس بات کی واضح اور قوی دلالت پائی جاتی ہے کہ جس طرح انسان کے اندر زہر کی وجہ سے نقصان دہ اثرات مرتب ہوتے ہیں اسی طرح جادو سے بھی انسان کو نقصان پہنچتا ہے اور جادو ایک مرض کی صورت انسان کو لاحق ہو جاتا ہے لہذا نبی ﷺ نے دعا کے ساتھ ساتھ اس کا ایک مادی علاج بھی تجویز فرمایا. امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان بھی اسی جانب معلوم ہوتا ہے کہ جادو ایک مرض ہے.
چنانچہ علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:" **فإن قلت ما وجه إيراد باب السحر في كتاب الطب قلت لا شك أن السحر نوع من المرض وهو يمرض المسحور ".**
اگر تم یہ کہو کہ امام بخاری نے کتاب الطب میں جادو کے باب کو کیوں ذکر فرمایا ہے؟ تو میں جواب دوں گا کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جادو ایک طرح کا مرض ہے اور وہ مسحور (جس پر جادو کیا گیا ہو) کو بیمار کر دیتا ہے.
مذکورہ حدیث کو بھی بعض لوگوں کی عقل قبول نہیں کرپاتی اور انھوں نے اس پر اعتراض کیا ہے.

۳- امام مسلم نے اپنی "صحیح" میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " **العين حق ولو كان شيئ سابق القدر لسبقته العين** ".
یعنی نظر حق ہے اور اگر کوئی چیز تقدیر پر غالب آسکتی تو نظر اس پر غالب آجاتی.
نظر کا بسا اوقات اثر کتنا شدید ہوتا ہے مندرجہ ذیل واقعے سے اس پر روشنی پڑتی ہے: امام مالک رحمہ اللہ نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے وہ ابوامامہ بن سہل بن حنیف سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں

نے فرمایا : عامر بن ربیعہ نے سہل بن حنیف کو غسل کرتے ہوئے دیکھ لیا، اس پر انھوں نے کہا : واللہ آج کی طرح تو میں نے کسی پردے والی کی بھی جلد نہیں دیکھی ! فرماتے ہیں : تب سہل زمین میں لوٹنے لگے، پھر رسول اللہ ﷺ عامر کے پاس آئے اور فرمایا : " کیوں تم میں کا کوئی اپنے بھائی کو مارے ڈالتا ہے کیوں نہ برکت کی دعا دی (یعنی بارک اللہ فیك کیوں نہ کہا) ان کی خاطر غسل کرو " چنانچہ عامر نے ان کی خاطر اپنا چہرہ ، اور اپنے دونوں ہاتھ ، اور اپنی دونوں کہنیاں اور دونوں گھٹنے، اور دونوں پیروں کے کنارے، اور اپنے ازار کا داخلی حصہ ایک برتن میں دھلا، پھر ان کے اوپر ڈالا تو وہ لوگوں کے ساتھ گئے. (زاد المعاد کے معلق نے مالک والی روایت کے رجال کو ثقہ قرار دیا ہے. دونوں روایتیں زاد المعاد میں دیکھئے ۴/ ۱۶۲ ، ۱۶۳) .

نظر کے حق ہونے اور اس کے شدید آثار کے سلسلے میں بہت سی صحیح و ثابت روایتیں موجود ہیں. مقصود یہ عرض کرنا ہے کہ نظر بد کے اثر انداز ہونے کے کیا کوئی ظاہری اسباب دکھائی دیتے ہیں ؟ مگر اس کے باوجود یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسکا انکار کوئی ایسا ہی شخص کر سکتا ہے جو کسی دوسری دنیا میں بستا ہو.

نظر کے متعلق علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے بڑی عمدہ بحث فرمائی ہے. مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علامہ موصوف کی پوری بحث افادۂ عام کی غرض سے نذر قارئین کروں. علامہ فرماتے ہیں : جن کے پاس سمع (روایات) و عقل کا حصہ کم ہے انھوں نے نظر کے معاملے کو باطل قرار دیا ہے اور کہا کہ یہ تو وہمی چیز ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے ، یہ لوگ سمع و عقل کے سلسلے میں سب سے بڑے جاہل ہیں اور (ان کی عقلوں) پر بڑا دبیز پردہ پڑا ہے اور ان کا مزاج بڑا غلیظ ہے یہ لوگ ارواح و نفوس اور ان کی صفات وافعال اور تاثیرات کی معرفت سے بہت دور ہیں. تمام ادیان کے عقلاء اپنے ملل و ادیان کے اختلاف کے باوجود نظر کے معاملے کا انکار نہیں کرتے ،اگرچہ نظر کے اثر انداز ہونے کے سبب اور وجہ کے بارے میں ان کا اختلاف ہو.

ایک گروہ کا خیال ہے کہ جب عائن (نظر لگانے والے) کے نفس کے اندر خراب کیفیت پیدا ہوتی ہے،

تو اس کی آنکھ سے تیزی کے ساتھ ایک زہریلی قوت خارج ہوتی ہے جو معین (جسے نظر لگی ہو) سے اتصال کرتی ہے جس کے نتیجے میں وہ نقصان اٹھاتا ہے . ان لوگوں نے کہا کہ یہ چیز مستنکر (قابل انکار) نہیں ہے، جس طرح اس بات کو مستنکر نہیں سمجھا جاتا کہ سانپ کی آنکھوں سے ایک زہریلی قوت تیزی کے ساتھ خارج ہوتی ہے جو انسان کو لاحق ہو جاتی ہے اور وہ ہلاک ہو جاتا ہے. یہ بات سانپوں کی بعض اقسام کے بارے میں مشہور ہے کہ جب ان کی نگاہ انسان پر پڑتی ہے تو وہ ہلاک ہو جاتا ہے، اسی طرح نظر لگانے والے کا معاملہ بھی ہے .

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ بات مستبعد نہیں ہے کہ بعض لوگوں کی آنکھ سے کچھ نادیدہ لطیف جواہر خارج ہوں، جو نظر کا شکار ہونے والے کو لاحق ہو جائیں اور اس کے مسام جسم میں سرایت کر جائیں جس کی وجہ سے اسے نقصان پہنچے .

ایک تیسری جماعت کہتی ہے : اللہ تعالی نے یہ عادت بنالی ہے کہ جب نظر لگانے والے کی آنکھ کا سامنا اس شخص سے ہوتا ہے جسے وہ نظر لگاتا ہے تو جو نقصان وہ چاہتا ہے پیدا فرمادیتا ہے بغیر اس کے کہ آنکھ سے حقیقت میں کوئی قوت ، سبب اور تاثیر ظاہر ہو . اور یہ اسباب و قوی اور دنیا میں تاثیر کے منکرین کا مذہب ہے، اور ان لوگوں نے اپنے اوپر علل و تاثیرات اور اسباب کا دروازہ بند کر لیا ہے، اور تمام عقلاء کی مخالفت کی ہے .

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اللہ سبحانہ نے اجسام وارواح میں مختلف قوتیں اور طبیعتیں پیدا کر رکھی ہیں، اور ان میں سے بہت سی چیزوں میں اثر کرنے والے خواص و کیفیات رکھی ہیں ، اور کسی عقل مند کے لئے اجسام میں ارواح کی تاثیر کا انکار ممکن نہیں ہے . یہ چیز تو مشاہد و محسوس ہے. آپ دیکھتے ہیں کہ جب کوئی ایسا آدمی کسی پر نظر ڈالتا ہے جس سے وہ شرم و حیا محسوس کرتا ہے تو اس کا چہرہ کس قدر سرخ ہو جاتا ہے اور جب کوئی ایسا آدمی اس کو دیکھتا ہے جس سے وہ خوف کھاتا ہے تو اس کا چہرہ کیسا زرد ہو

جاتا ہے اور لوگوں نے اس شخص کا مشاہدہ کیا ہے جو نظر سے بیمار پڑ جاتا ہے اور اس کے قوی ضعیف ہو جاتے ہیں ، اور یہ تمام چیزیں ارواح کی تاثیر کے واسطے سے اور آنکھ کے ساتھ اس کے شدید ارتباط کے سبب واقع ہوتی ہیں جس (یعنی آنکھ) کی طرف فعل کو منسوب کر دیا جاتا ہے. حالانکہ موثر آنکھ نہیں ہوتی ہے بلکہ تاثیر تو روح کی ہوتی ہے. اور ارواح اپنی طبیعتوں اور قوتوں اور کیفیات اور خواص میں مختلف ہوتی ہیں، چنانچہ حاسد کی روح محسود کے لئے واضح طور پر ایذا اور ساں ہوتی ہے اسی لئے اللہ سبحانہ نے اپنے رسول کو اس کے شر سے اپنی پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے. اور محسود کی ایذاء رسانی میں حاسد کی تاثیر ایسا معاملہ ہے جس کا انکار وہی کر سکتا ہے جو انسانیت کی حقیقت سے خارج ہو. اور یہی نظر کے لاحق ہونے کی اصل ہے . کیونکہ خبیث حاسد نفس کے اندر ایک خبیث کیفیت پیدا ہوتی ہے جو محسود کا سامنا کرتی ہے، تو اس کے اندر اسی خاصیت کے واسطے سے اثر انداز ہوتی ہے. اور اس کی قریب ترین مثال سانپ ہے کیونکہ بالقوۃ اس کے اندر زہر پوشیدہ ہوتا ہے ، پھر جب وہ اپنے دشمن کا سامنا کرتا ہے، تو اس سے ایک غضب ناک قوت خارج ہوتی ہے اور خبیث ایذاء رساں کیفیت میں بدل جاتی ہے، ان میں سے بعض کی کیفیت تو سخت اور قوی ہوتی ہے یہاں تک کہ جنین کے اسقاط میں موثر ثابت ہوتی ہے اور ان میں سے بعض کی بینائی کو سلب کرنے میں اثر انداز ہوتی ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے چھوٹی دم والے سانپ اور دو دھاری سانپ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ یہ دونوں آنکھوں کی بینائی سلب کر لیتے ہیں اور حمل کو ساقط کر دیتے ہیں. اور بعض کی کیفیت تو نفس کی شدت خباثت کے سبب محض دیکھنے ہی سے بغیر کسی طرح کا اتصال ہوئے اثر انداز ہوتی ہے، اور تاثیر جسمانی اتصالات ہی پر موقوف نہیں ہے، جیسا کہ طبیعت و شریعت کا کم علم رکھنے والے گمان کرتے ہیں ، بلکہ کبھی تاثیر اتصال کے سبب ہوتی ہے اور کبھی سامنا ہونے کی وجہ سے اور کبھی رویت کے سبب اور کبھی روح کے اس ذات کی طرف متوجہ ہونے کے سبب جس کے اندر وہ اثر انداز ہوتی ہے، اور کبھی دعاؤں اور منتروں اور تعوذات کے سبب، اور کبھی وہم و خیال کی وجہ سے، نظر لگانے والے کے نفس کی تاثیر رویت پر موقوف نہیں ہے، بلکہ کبھی تو وہ اندھا ہوتا ہے پھر جب اس سے کسی چیز کا وصف بیان کیا جاتا ہے تو اس کا نفس اس میں اثر انداز ہو جاتا ہے اگرچہ وہ اسے نہ دیکھے ، بہت سے نظر لگانے والے تو اس شخص پر جسے وہ نظر لگاتے ہیں بغیر

دیکھے ہوئے وصف ہی سے اثر انداز ہو جاتے ہیں ،اللہ تعالی نے تو اپنے نبی سے فرمایا کہ ﴿ وإن يكادوا الذين كفروا ليزلقونك بأبصارهم لما سمعوا الذكر ﴾ [القلم : ٥١] (حافظ بن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ اگر آپ کو اللہ تعالی کی حمایت وحفاظت نہ حاصل ہوتی تو آپ کفار کی حاسدانہ نظروں سے نظر بد کا شکار ہو جاتے . فیضی) اور فرمایا :

﴿ قل أعوذ برب الفلق من شر ما خلق ومن شر غاسق إذا وقب و من شر النفاثات في العقد ومن شر حاسد إذا حسد ﴾

آپ کہہ دیجئے کہ میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہے اور اندھیری رات کے شر سے جب اس کا اندھیرا پھیل جائے ،اور گرہ لگا کر ان میں پھونکنے والیوں کے شر سے اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے .

تو ہر نظر لگانے والا حاسد ہے اور ہر حاسد نظر لگانے والا نہیں ہے لہذا جب حاسد نظر لگانے والے سے عام ہے تو اس سے پناہ مانگنا نظر لگانے والے سے پناہ مانگنا ٹھہرا ، اور یہ ایک تیر ہے جو حاسد اور عائن (نظر لگانے والے) کے نفس سے نکلتا ہے اور محسود و معین جسے نظر لگانا مقصود ہو) کی طرف جاتا ہے اور کبھی تو اسے لگ جاتا ہے اور کبھی خطا کر جاتا ہے . لہذا اگر اسے کھلا یا جاتا ہے کہ اس کے اوپر کوئی سامان حفاظت نہ ہو تو اثر کر جاتا ہے اور اگر ہشیار و ہتھیار بند پاتا ہے کہ اس میں تیروں کے نفوذ کی جگہ نہیں ہوتی تو اس پر بے اثر ہو کر رہ جاتا ہے اور بسا اوقات تو تیر تیر انداز ہی پر پلٹ جاتے ہیں اور یہ بالکل محسوس تیر اندازی کی طرح کا معاملہ ہے (بس فرق اتنا ہے کہ) یہ نفوس وارواح کی جانب سے ہوتی ہے اور وہ اجسام واشخاص کی جانب سے . اور اس کی اصل نظر لگانے والے کا کسی چیز سے پسند خاطر ہونا ہے . پھر اس کے خبیث نفس کی کیفیت اس کا پیچھا کرتی ہے پھر اپنے زہر کی تنفیذ کی خاطر معین (جس پر نظر لگانا ہو) پر ایک نظر ڈالنے کی مدد لیتی ہے . اور کبھی کبھی آدمی خود پر بھی نظر لگا لیتا ہے ،اور کبھی بغیر ارادے کے ہی . بلکہ اپنی جبلت سے ہی،اور یہ انسانیت کی سب سے بدترین قسم ہے ،اور فقہا میں سے ہمارے اصحاب نے اور دیگر لوگوں نے کہا کہ اگر کوئی آدمی اس بات سے معروف ہو تو امام اسے نظر بند کر دے گا،اور اس کی موت تک اس کا خرچ اٹھاتا رہے گا،اور یہی بات یقینی طور پر صحیح ہے .

(زادالمعاد ۴/ ۱۶۵ تا ۱۶۸) .

جادو کی تعریف میں یہ بات گزر چکی ہے کہ اس کی ایک قسم یہ ہے کہ جادوگر اس سلسلے میں شیاطین کی مدد طلب کرتا ہے. اور مدد طلب کرنے کے متعلق تو قرآن نے بھی سورۂ جن میں اشارہ کیا ہے :

﴿ أنه كان رجال من الإنس يعوذون برجال من الجن فزادوهم رهقا ﴾

بات یہ ہے کہ چند انسان بعض جنات سے پناہ طلب کیا کرتے تھے جس سے جنات اپنی سرکشی میں اور بڑھ گئے .

چنانچہ یہ بات ثابت اور مسلم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالی نے شیاطین کو بھی کچھ قوتیں عطا کر رکھی ہیں جن کا ذکر قرآن مجید کی آیتوں اور مختلف احادیث میں آیا ہے اور یہ بھی کھلی ہوئی بات ہے کہ شیاطین بنی آدم کے دشمن ہیں اور ان کی ایذاء رسانی میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کرتے اور جب کوئی ان کی دہائی دیتا ہے یا ان کا تقرب حاصل کرنے کی خاطر کوئی ایسا ذریعہ اختیار کرتا ہے جو شیاطین کو مطلوب ہے تو وہ کبھی کبھی ایسے لوگوں کی مدد کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کبھی کبھی اپنی کوشش میں اللہ تعالی کی اجازت سے کامیاب بھی ہو جاتے ہیں . اور ان تمام باتوں کی تفصیل کتاب وسنت کے ذخیرے میں موجود ہے جن کے ذکر کرنے کا یہ موقعہ نہیں ، جو کتابیں خاص طور سے اس موضوع پر لکھی گئی ہیں ان میں یہ تفاصیل دیکھی جاسکتی ہیں. جب معاملہ ایسا ہی تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے کہ جب کوئی جادوگر اپنے منتر کے ذریعہ شیاطین کی دہائی دے اور شیاطین اس کے مطلوبہ دشمن پر حملہ آور ہوں اور وہ کامیاب ہو جائیں. یہی وجہ ہے کہ شیاطین کے شر سے پناہ مانگنے کے سلسلے میں مختلف حدیثیں وارد ہوئی ہیں. یہ نہ کہا جائے کہ یہ شر تو محض معنوی ہوتا ہے مادی نہیں، اس لئے کہ یہ چیز عقلا و شرعا مشاہدہ اور تجربہ ہر اعتبار سے ثابت ہے.

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ذكر الأشعرى في مقالات أهل السنة والجماعة أنهم يقولون : إن الجنى يدخل في بدن المصروع كما قال تعالى : ﴿ الذين يأكلون الربا لا

يقومون إلا كما يقوم الذى يتخبطه الشيطان من المس ﴾............".
اشعری رحمہ اللہ اشعری رحمہ اللہ نے مقالات اہل السنۃ والجماعۃ میں نقل فرمایا ہے کہ اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ جن مصروع (جسے جن لگا ہو) کے بدن میں داخل ہو جاتا ہے. جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا : جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں کھڑے ہوں گے مگر اسی طرح جس طرح وہ کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر خبطی بنادیا ہو. عبداللہ بن احمد بن حنبل فرماتے ہیں : میں نے اپنے والد سے عرض کیا کہ کچھ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ جن انسان کے بدن میں نہیں داخل ہوتا ہے . تو انھوں نے فرمایا : اے بیٹے ! یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں، یہ دیکھو کہ وہ تو اس کی زبان پر گفتگو کرتا ہے اور یہ چیز اپنی جگہ پر مفصل بیان کی گئی ہے .

مقصد یہاں پر یہ ہے کہ مسلمانوں کے تمام گروہ جن کے وجود کا اقرار کرتے ہیں. اسی طرح بیشتر کفار بھی جیسے عام اہل کتاب، اسی طرح اولاد سام میں سے عام مشرکین عرب وغیرہ اور اولاد حام میں سے ہند وغیرہ کے عام لوگ. اسی طرح اولاد یافث میں سے بیشتر کنعان اور یونان کے لوگ وغیرہ . چنانچہ بیشتر جماعتیں جن کا اقرار کرنے والی ہیں. بلکہ یہ لوگ تو اس معاونت کا بھی اقرار کرتے ہیں جو وہ منتروں کے ذریعہ جن سے حاصل کرتے ہیں، خواہ یہ چیز اہل ایمان کے نزدیک جائز ہو یا شرک، کیونکہ مشرکین ایسے منتر اور طلسمات اور دم پڑھتے ہیں جو عربی میں نہیں سمجھے جاتے ان میں ایسی باتیں ہوتی ہیں جن میں جنات کا شرک ہوتا ہے .   (مجموع الفتاوی جلد۱۹ ص : ۱۳) .

آگے چل کر شیخ الاسلام رحمہ اللہ ﴿ وأنه كان رجال من الإنس يعوذون برجال من الجن فزادوهم رهقا ﴾ کے تحت فرماتے ہیں : ایک انسان جب وادی میں پڑاؤ ڈالتا - اور وادیوں میں جن کے پائے جانے کا گمان رہتا ہے کیوں کہ وہ بلند جگہوں کی بنسبت وادیوں میں زیادہ رہتے ہیں - تو انسان کہتا : میں یہاں کے سفہاء سے اس وادی کے بڑے کی پناہ چاہتا ہوں ، لہذا جب جنوں نے دیکھا کہ انسان ان کی پناہ مانگتے ہیں تو ان کی سرکشی میں اضافہ ہو گیا اور ان کے اندر تبدیلی پیدا ہو گئی . اور اسی وجہ سے وہ جنتر منتر پڑھنے والوں کو اپنے اور اپنے بادشاہوں کے ناموں سے جواب دیتے ہیں ، اس لئے کہ

وہ (منتر پڑھنے والا) ان کو ایسے شخص کے ناموں کی قسم دلاتا ہے جن کی وہ تعظیم کرتے ہیں. چنانچہ اس کے ذریعہ ان کو انسان پر برتری اور شرف حاصل ہوتا ہے جو انھیں اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ (منتر پڑھنے والوں) کی کچھ مانگیں پوری کردیں، خاص طور سے اس لئے بھی کہ وہ جانتے ہیں کہ انسان ان سے اشرف اور قدر و منزلت کے اعتبار سے زیادہ عظمت کا حامل ہے. لہذا جب انسان ان کے سامنے جھک جاتے ہیں اور ان کی پناہ مانگنے لگتے ہیں تو یہ چیز ان کے لئے اس طرح کی ہو جاتی ہے جس طرح بڑے لوگ چھوٹوں کے سامنے اس لئے جھک جاتے ہیں کہ وہ ان کی ضرورتیں پوری کردیں .

پھر شیاطین میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کفر و شرک اور رب کی معصیتوں کو اپنا لیتے ہیں. ابلیس اور شیاطین میں سے اس کی فوج شر کی اشتہار رکھتے ہیں، اور اس سے لذت اندوز ہوتے ہیں اور اس کی جستجو کرتے ہیں، اور اپنے نفوس کی خباثت کے تقاضے کے مطابق اس کی حرص رکھتے ہیں . خواہ یہ چیز ان کے اور جنھیں یہ گمراہ کرتے ہیں ان کے عذاب کا موجب ہی کیوں نہ ہو . جیسا کہ ابلیس نے کہا :

﴿ فبعزتك لأغوينهم أجمعين إلا عبادك منهم المخلصين ﴾ کہنے لگا پھر تو تیری عزت کی قسم میں ان سب کو یقیناً بہکاؤں گا بجز تیرے ان بندوں کے جو چیدہ اور پسندیدہ ہوں [ص :۸۲، ۸۳]

اللہ تعالی کا مزید ارشاد ہے : ﴿ قال : أرأيتك هذا الذى كرمت على لئن أخرتني إلى يوم القيامة لأحتنكن ذريته إلا قليلا ﴾ [بنی اسرائیل : ۶۲] .

اچھا دیکھ لے تو نے اسے مجھ پر بزرگی دی ہے لیکن مجھے بھی قیامت تک تو نے ڈھیل دی تو میں اس کی اولاد کو بجز تھوڑے بہت لوگوں کے اپنے بس میں کرلوں گا. اور فرمایا بزرگ و برتر نے : ﴿ ولقد صدق عليهم إبليس ظنه فاتبعوه إلا فريقا من المؤمنين ﴾ ابلیس نے ان کے بارے میں جو سوچ رکھا تھا اسے سچا کر دکھایا یہ سب اس کے تابعدار بن گئے سوائے مومنین کی ایک جماعت کے.

اور جب انسان کا نفس یا اس کا مزاج فاسد ہو جاتا ہے تو وہ ایسی چیز کی خواہش کرتا ہے اور اس سے لذت اندوز ہوتا ہے جو اسے نقصان پہنچائے ؛ بلکہ اس کے ساتھ ایسا عشق کرنے لگتا ہے جو اس کی عقل اس کے دین اور اس کے مال کو فاسد کر دیتا ہے، اور شیطان تو بذات خود خبیث ہے لہذا جب منتروں والا اور قسمیں دلانے والا اور جادوئی روحانیات کی کتابوں والا اور اسی طرح کے لوگ ان کے محبوب کفر و شرک

کے ذریعہ ان کا تقرب تلاش کرتے ہیں تو یہ چیز ان کے لئے رشوت اور گھوس جیسی ہو جاتی ہے لہذا انکے بعض اغراض کو وہ پورا کر دیتے ہیں. (بالکل) اسی شخص کی مانند جو کسی کو اس لئے مال دیتا ہے کہ وہ اس کی خاطر جسے وہ چاہتا ہے قتل کر دے یا کسی فحش کام پر اس کی مدد کرے یا اس کے ساتھ کوئی فحش کام کرے.

یہی وجہ ہے کہ اس طرح کے بہت سے کاموں میں یہ لوگ اللہ کے کلام کو نجس چیزوں سے لکھتے ہیں- اور کبھی کلام اللہ عزوجل کے حروف کو الٹ پلٹ دیتے ہیں یا تو سورۂ فاتحہ کے حروف کو یا قل ہو اللہ احد کے یا ان کے علاوہ دوسری سورت کے حروف کو-یا تو خون سے لکھتے ہیں یا اس کے علاوہ دوسری چیز سے یا بغیر نجاست ہی کے لکھتے ہیں. یا اس کے علاوہ کوئی دوسری ہی چیز لکھتے ہیں جس سے شیطان راضی ہوتا ہے یا اسے بولتے ہیں. تو جب یہ لوگ کوئی ایسی چیز بولتے یا لکھتے ہیں جن سے شیاطین راضی ہوتے ہیں تو ان کی بعض اغراض کو پورا کرنے کے سلسلے میں یہ ان کی مدد کر دیتے ہیں، (اور وہ چیزیں مثلا) یا تو کسی جگہ کے پانی کو تہہ میں پہنچادینا ، یا تو ہوا میں اٹھا کر کسی جگہ پہنچادینا ، یا کچھ لوگوں کے اموال میں سے کوئی مال لاکر انھیں دے دیں ، جیسا کہ شیاطین خیانت کرنے والوں کے اموال کو یا جس نے ان پر اللہ کا نام نہیں لیا ہوتا ہے چوری کر لیتے ہیں اور اس کے پاس لے آتے ہیں ، یا اس کے علاوہ دیگر چیزیں ہیں .

اور میں معین امور کے اقسام میں سے ہر قسم کے متعلق معرفت رکھتا ہوں اور جنھیں میں جانتا ہوں ان میں سے کس کے ساتھ یہ واقعہ ہوا ہے وہ بھی مجھے معلوم ہے جس کی حکایت طوالت کی متقاضی ہے، کیونکہ ایسے لوگ بہت زیادہ ہیں . (مجموع الفتاوی ج۱۹ ص : ۳۴ تا ۳۵) .

اس موضوع پر بہت سے علماء واکابرین اور تجربہ و مشاہدہ کرنے والوں کے حوالے پیش کئے جاسکتے ہیں، مگر جو لوگ انصاف کے ساتھ ہماری پیش کردہ باتوں پر غور و فکر کریں گے انشاءاللہ ان کے لئے اتنی ہی باتیں کافی ہوں گی .

آخر میں اتنی بات ضرور عرض کروں گا کہ اس طرح کی چیزیں انسان کے لئے غیبی امور کی حیثیت رکھتی

ہیں اور جب قرآن و سنت میں اس کا اثبات کیا گیا ہے تو ایک مومن کا فرض بنتا ہے کہ آیات کی بے جا تاویل یا احادیث میں شکوک و شبہات ابھارنے کے بجائے ان پر ایمان لائے خواہ یہ باتیں اس کی سمجھ میں آسکیں یا نہ آسکیں اس لئے کہ ہر چیز ضروری نہیں ہے کہ ہر انسان کی سمجھ میں آجائے. بسا اوقات بالکل سامنے کا کوئی واقعہ ہوتا ہے مگر انسان اس کی توجیہ سے قاصر رہ جاتا ہے کیونکہ انسان کی عقل کا دائرہ محدود ہے اور قوت فہم وادراک مختلف ہوتی ہے. اسی لئے اللہ تعالی نے مومنین کی صفات میں ایک واضح صفت یہ بتائی ہے کہ ﴿ یؤمنون بالغیب ﴾ وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں .

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کی حقیقت

امام احمد ، بخاری ، مسلم اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے اپنی کتابوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور نسائی واحمد رحمھما اللہ نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا گیا اور آپ پر اس کا اثر بھی ظاہر ہوا اور تمام روایتوں کے مجموعے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ اثر یہ تھا کہ آپ کو ایسا محسوس ہوتا کہ آپ نے اپنی بیویوں سے صحبت فرمائی ہے مگر درحقیقت ایسا ہوتا نہیں تھا. روایت کی جزئی تفصیلات مختلف رواۃ نے اپنے اپنے الفاظ میں بیان کی ہے. اور اس حدیث کو محدثین و مورخین تمام لوگوں کے یہاں قبولیت و تسلیم کا درجہ حاصل ہے اور ان میں بڑے بڑے ائمہ و نادر روزگار شخصیتیں اور ماہرین فن ہستیاں شامل ہیں مگر ان میں سے کسی کو اس حدیث میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آئی جو قادح نبوت اور منافی عصمت انبیاء ہو یا فنی اعتبار سے یہ حدیث نا قابل قبول قرار پاتی ہو. غرضیکہ اس حدیث کے متعلق ان کے ذہن میں کسی قسم کا شک و شبہ پیدا نہیں ہوا .

سب سے پہلے اس حدیث پر اعتراض ان شاذ قسم کے لوگوں کو ہوا جن کا علوم نبوت سے رشتہ بہت ہی سطحی قسم کا تھا اور جن کا سرمایہ افتخار کتاب و سنت اور سلف صالحین کی علمی کاوشوں کے بجائے حکمائے

یونان کی عقلی بے اعتدالیاں تھیں اور جن کے یہاں حق کا معیار نصوص کتاب وسنت کے بجائے ارسطو وافلاطون کے مرتب کردہ غیر متوازن اور متزلزل اصول وضابطے تھے ۔ اور جو تمام اصحاب علم و بصیرت کے نزدیک ساقط الاعتبار اور اپنے فکری انحراف سے معروف تھے ۔ ہر چند کہ حکومت کی سر پرستی کی بنا پر ایک زمانے میں ان کو مادی غلبہ واقتدار حاصل رہا مگر ان کے شکوک وشبہات جنھیں یہ مستحکم دلیلیں قرار دیتے تھے ان کی حیثیت اساطین علم وفضل کے نزدیک تار عنکبوت سے زیادہ نہ تھی اور جہاں جہاں دونوں طرف سے تقریر وتحریر کے ذریعہ اظہار کا موقعہ آیا یہ ہمیشہ وارثان علوم نبویہ کے مقابلے میں منہ کی کھاتے رہے ۔

خطیب المحدثین علامہ ابن قتیبہ دینوری رحمہ اللہ نے معتزلہ کے بارے میں ذکر فرمایا ہے کہ سب سے پہلے انھیں اس حدیث پر اعتراض ہوا اور ان کے اعتراض کا خلاصہ ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے :

" (قالوا : حديث تكذبه حجة العقل والنظر)

قالوا : رويتم أن رسول الله ﷺ سحر وجعل سحره في بئر ذى أروان وأن عليا كرم الله وجهه استخرجه وكلما حل منه عقدة وجد النبى ﷺ خفة فقام النبى ﷺ كأنما أنشط من عقال – وهذا لا يجوز على نبى الله ﷺ لأن السحر كفر وعمل من أعمال الشيطان فيما يذكرون فكيف يصل إلى النبى ﷺ مع حياطة الله تعالى له وتسديده إياه بملائكته وصونه الوحى عن الشيطان والله تعالى يقول في القرآن ﴿ لا يأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه ﴾ وأنتم تزعمون أن الباطل ههنا هو الشيطان وقال ﴿ عالم الغيب فلا يظهر على غيبه أحدا إلا من ارتضى من رسول فإنه يسلك من بين يديه ومن خلفه رصدا ﴾ أى يجعل بين يديه وخلفه رصدا من الملائكة يحفظونه ويصونون الوحى عن أن يدخل فيه الشيطان ما ليس منه – .... ". (تأويل مختلف الحديث ص : ١٢٠) .

(ان کا کہنا یہ ہے کہ ایک حدیث ہے جسے عقل اور غور تدبر کی دلیل جھٹلا دیتی ہے) .

کہتے ہیں تم لوگوں نے ایک روایت بیان کی ہے کہ نبی ﷺ پر جادو کیا گیا اور اس جادو کو ذی اروان نامی

کنویں میں رکھا گیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسے نکالا اور جیسے جیسے کوئی گرہ کھولتے جاتے ویسے ویسے نبی ﷺ کو تخفیف محسوس ہوتی تھی۔ پھر نبی ﷺ ایسے کھڑے ہوئے گویا آپ کو بندھن سے آزاد کر دیا گیا ہے۔ اور یہ چیز نبی ﷺ کے متعلق جائز نہیں ہے اس لئے کہ جادو کفر ہے اور لوگوں کے بیان کے مطابق ایک شیطانی عمل ہے تو اللہ تعالی کی حفاظت اور فرشتوں کے ذریعہ آپ کی درستگی اور وحی کے محفوظ رکھنے کے باوجود جادو نبی ﷺ تک کس طرح پہنچ سکتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالی قرآن میں فرماتا ہے: باطل نہ ان کے سامنے سے آسکتا ہے نہ ان کے پیچھے سے اور تمہارا گمان یہ ہے کہ باطل یہاں پر شیطان ہے۔ اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿عالم الغيب فلا يظهر على غيبه أحدا إلا من ارتضى من رسول فإنه يسلك من بين يديه ومن خلفه رصدا﴾ یعنی فرشتوں میں سے ان کے لئے محافظ مقرر فرماتا ہے جو ان کی حفاظت کرتے ہیں اور وحی کو اس بات سے بچاتے ہیں کہ شیطان اس میں کوئی ایسی چیز داخل کر دے جو وحی کا حصہ نہیں ہے۔ .... "۔

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ اس روایت کو عقلی بنیادوں پر رد کرنے والے اور اس میں شکوک شبہات ابھارنے والے معتزلہ ہیں۔ اور ابن قتیبہ رحمہ اللہ کا زمانہ تیسری صدی ہجری کا ہے۔

ابن قتیبہ رحمہ اللہ کے ذکر کردہ لوگوں کے بعد جو شخصیت ہمارے سامنے آتی ہے وہ ابو بکر احمد بن علی الجصاص کی ہے جن کا سہارا موجودہ دور کے تقریباً ان تمام لوگوں نے لیا ہے جنھوں نے اس حدیث کا انکار کیا ہے۔ ایک صاحب بھاری بھرکم القاب والے جن کی تحقیق کے نمونے دکھانے کا میں نے پچھلے صفحات میں آپ سے وعدہ کیا تھا انھوں نے ان بزرگ کی ثناخوانی کے کلمات کو جمع کرنے میں بڑی محنت کی اور زور قلم صرف فرمایا ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب " مذہبی داستانیں اور ان کی حقیقت " میں رقم طراز ہیں: " اس سے قبل کہ ہم اس مسئلہ کے سلسلہ میں اپنی معروضات پیش کریں۔ ہم امام ابو بکر جصاص الرازی الحنفی کا قول پیش کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن عوام چونکہ ان کی حیثیت سے باخبر نہیں ہے۔ اس لئے سب سے پہلے ہم ان کی ذات کا تعارف کرانا چاہتے ہیں۔

مولینا عبد الرشید نعمانی جامعہ بنوری ٹاؤن میں ادارۂ تصنیف و تالیف کے ذمے دار افراد میں سے ہیں۔

امام ابو بکر جصاص پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ابو بکر جصاص امام ابو بکر احمد بن علی الجصاص مشہور اکابر حنفیہ میں سے ہیں ۔ بہت بڑے محدث اور امام تھے فن حدیث میں ان کو امام ابو الحسن کرخی، ابو العباس اصم، حافظ عبد الباقی بن قانع اور ابو عمر غلام ثعلب سے تلمذ حاصل ہے ۳۰۵ھ میں پیدا ہوئے۔ طلب حدیث میں مختلف ممالک کا سفر کیا ۔ ۳۲۵ھ میں بغداد آئے اور امام کرخی سے فقہ و حدیث کی تعلیم حاصل کی ۔ پھر اسی سلسلہ میں اہواز گئے اور وہاں سے دوبارہ بغداد آئے............ (کتاب مذکور ص۸۶)

اس کے بعد نعمانی صاحب نے ان کے بارے میں کئی لوگوں کے اقوال ذکر کئے ہیں اور آخر میں حافظ ذہبی کے متعلق لکھا ہے کہ انھوں نے تذکرۃ الحفاظ میں حسن بن رشیق کے ترجمہ میں ان کا سن وفات ۳۷۰ھ تحریر کیا ہے۔

اور درمیان میں لکھا ہے کہ خطیب بغدادی شافعی جو امام ابو حنیفہ اور ان کے ماننے والوں سے انتہائی تعصب رکھتے تھے، ان کے بارے میں لکھتے ہیں

یہ اپنے وقت میں احناف کے امام تھے اور زہد میں مشہور تھے ۔

مذکورہ بالا عبارت میں جصاص موصوف کو محدث اور امام حدیث ثابت کرنے کے لئے ایڑی سے چوٹی تک کا زور صرف کر دیا گیا ہے مگر چونکہ اس طبقے کی ذہنیت کا ہمیں خوب اندازہ ہے کہ اپنے احساس کمتری اور علم حدیث سے عمومی بعد کے سبب یہ حضرات اپنی جماعت کے ہر اس فرد کو جس کے بارے میں کسی نہ کسی طرح یہ اندازہ ہو گیا ہو کہ اس نے کسی صاحب حدیث کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ہے تو جھٹ اسے محدث اور امام فی الحدیث کے درجے پر فائز کر دیتے ہیں ۔

محدث بننے کا شوق تو بڑا اچھا ہے مگر اس کے لئے جس جاں کاہی و جانفشانی اور وسعت فکر و نظر اور جذبہ اتباع سلف کی ضرورت ہوتی ہے اس سے تو عام طور پر ان کا کوئی رشتہ نہیں ہے ۔الا من رحم ربک ۔ اور جصاص صاحب تو خیر سے کسی حد تک اس وادی سے گزر چکے ہیں ۔ مگر یہ کہ جناب بہت بڑے محدث تھے تو ہیہات ہیہات ودونہ خرط القتاد ۔

بعض حضرات نے خوش عقیدگی میں جوانھیں محدث لکھ دیاہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ اہل فن میں سے کسی نے علم حدیث میں ان کی مہارت کو تسلیم نہیں کیا ہے نہ ہی محدثین وحفاظ حدیث کے تذکرہ نگاروں نے اس ضمن میں ان کاذکر ہی کیاہے نعمانی صاحب نے اسی کو بہت غنیمت سمجھا کہ ایک صاحب نظر محدث اور نقاد فن علامہ ذہبی نے کسی محدث کے ترجمہ کے ضمن میں ان کی سن وفات کا تذکرہ کر دیاہے اور امام فن ویکتائے زمانہ محدث وخطیب بغدادی رحمہ اللہ کو پہلے ہی تمہید باندھ کر متعصب قرار دے دیا تاکہ ان کی کتاب سے کہیں حقیقت واشگاف نہ ہو جائے جبکہ یہ بہت بڑا فریب اور کھلا ہوا جھوٹ ہے کہ خطیب رحمہ اللہ احناف کے خلاف تعصب رکھتے تھے بلکہ اس کے برعکس احناف نے اپنی تنگ نظری اور گروہی عصبیت کی بنیاد پر ان کے خلاف طومار باندھا ہے اور ان پر بڑے ظلم ڈھائے ہیں جس کی تفصیل بہت ہی تکلیف دہ اور اذیت ناک ہے اور علامہ یمانی کی التنکیل وغیرہ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے. خطیب رحمہ اللہ کا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ بغیر کسی لگی لپٹی کے حقیقت کو واضح طور پر بیان کر دیا کرتے تھے اور بے بضاعت لوگوں کو امامت کے درجہ علیا پر فائز نہیں کرتے تھے نہ ہی بالشتیوں کو قد آور بنانے کی کوشش کیا کرتے تھے بلکہ اعطوا کل ذی حق حقہ کے تحت جس کا جو مقام ہوتا تھا صاف صاف بیان کر دیتے تھے . اور ایک مخصوص طبقے کے نزدیک یہ اتنا بڑا جرم ہے جو ناقابل معافی ہے. یہی وجہ ہے کہ کچھ لوگ آج تک موقعہ بے موقعہ ان کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نکالتے رہتے ہیں اور اپنے پھپھولے پھوڑتے رہتے ہیں .

علامہ موصوف کو بغدادیوں یا بغداد میں وارد شدہ لوگوں کے بارے میں جو معلومات حاصل تھیں ان میں کوئی شخص ان کی ہمسری کا دعوی نہیں کر سکتا کیونکہ انھوں نے اہل بغداد کے حالات کو جمع کرنے میں بڑے اہتمام کے ساتھ ایک لمبا عرصہ صرف کیا تھا اور اس موضوع سے خاص شغف رکھتے تھے اور تتبع وجستجو میں لگے رہا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ تاریخ بغداد جیسی عظیم کتاب معرض وجود میں آئی. فجزاہ اللہ کل خیر واحسن مثوبتہ .

ابو بکر جصاص رازی کی حقیقت تاریخ بغداد کے آئینے میں

خطیب رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

" أحمد بن علی ، ابو بكر الرازی الفقيه ، امام أصحاب الرأی في وقته ، كان مشهورا بالزهد والورع ، ورد بغداد في شبيبته ودرس الفقه على أبی الحسن الكرخی ولم يزل حتى انتهت إليه الرياسة ، ورحل إليه المتفقهة ، وخوطب في أن يلی القضاء فامتنع ، وأعيد عليه الخطاب فلم يفعل ، وله تصانيف مشهورة ضمنها أحاديث رواها عن أبی العباس الأصم النيسا بوری ، وعبد الله بن جعفر بن فارس الأصبهانی وعبد الباقی بن قانع القاضی ، وسليمان بن احمد الطبرانی وغيرهم .... " . (ج٤ ص : ٣١٤) .

فقیہ ابو بکر الرازی، اپنے زمانے میں اصحاب الرائی کے امام تھے زہد وورع میں مشہور تھے، اپنی جوانی کے ایام میں بغداد آئے اور ابوالحسن کرخی سے فقہ پڑھی اور برابر لگے رہے یہاں تک کہ سرداری انھیں پر ختم ہو گئی اور فقہ سیکھنے والوں نے ان کی طرف کوچ کیا، اور منصب قضاء کے سلسلے میں ان سے گفتگو کی گئی تو وہ اس سے گریزاں رہے، دوبارہ اس کے متعلق ان سے گفتگو کی گئی مگر انھوں نے اسے قبول نہیں کیا، اور ان کی بہت سی مشہور تصنیفات ہیں جن میں انھوں نے کچھ حدیثیں شامل کی ہیں جن کو انھوں نے ابوالعباس الاصم نیساپوری، عبداللہ بن جعفر بن فارس اصفہانی اور قاضی عبدالباقی بن قانع اور سلیمان بن احمد الطبرانی وغیرہ سے روایت کیا ہے۔

نقل کردہ عبارت سے مندرجہ ذیل حقیقتیں واضح ہوتی ہیں :

۱- موصوف امام حدیث نہیں بلکہ امام اہل الرائی تھے اور اس زمانے میں اہل رائے ایک مخصوص اصطلاح تھی جو ان لوگوں کے متعلق استعمال ہوتی تھی جو آراء الرجال سے شغف رکھتے تھے اور علم

حدیث میں ان کی کوئی خاص دلچسپی نہیں ہوتی تھی. نعمانی صاحب نے بڑے ہی غیر محسوس انداز میں امام اصحاب الرائ کو بدل کر " اپنے وقت میں احناف کے امام کر دیا ہے " اس چابکدستی کا کوئی خاص مقصد تو نہیں ؟ .

۲-انھوں نے ابو الحسن کرخی سے فقہ پڑھی تھی حدیث نہیں. اس کی مزید وضاحت علامہ عبد الحیی لکھنوی کے اس بیان سے ہوتی ہے جو انھوں نے " الفوائد البهية في تراجم الحنفية " میں موصوف کے متعلق دیا ہے، وہ فرماتے ہیں : أخذ عن أبي سهل الزجاج وعن أبي الحسن الكرخي عن أبي سعيد البردعي عن موسىٰ بن نصير الرازي عن محمد . یعنی اس سلسلہ سند کے ذریعہ انھوں نے امام محمد رحمہ اللہ کا علم حاصل کیا اور امام محمد امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد تھے ہر چند کہ حدیث میں ان کی کتاب موطا موجود ہے مگر علوم حدیث میں اس کا کوئی مقام نہیں ہے نہ ہی امام محمد کا شمار محدثین کی صف میں ہوتا ہے بلکہ ان کا شمار بھی فقہا ہی میں ہوتا ہے. اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس سلسلہ سند کے ذریعہ فقہ حنفی کو حاصل کیا ہوگا. اور فقہا میں بھی ان کا جو کچھ مقام ہے وہ پیش خدمت ہے .

احناف نے اپنے علماء کے سات طبقات ذکر کئے ہیں اور رازی موصوف کا شمار چوتھے طبقے میں کیا ہے. اب اس طبقہ کی حقیقت ملاحظہ فرمائیں : **طبقة أصحاب التخريج من المقلدين كالرازي – أحمد بن علي الرازي الجصاص – وأضرابه ، فإنهم لا يقدرون على الإجتهاد اصلا –ولكنهم لإحاطتهم بالأصول ، وضبطهم المأخذ ، يقدرون على تفصيل قول مجمل ذي وجهين ، وحكم مبهم محتمل لأمرين منقول عن صاحب المذهب ....".**

(الإمام احمد بن علي الرازي الجصاص للدكتور عجيل جاشم النشيمي ص : ٦٤) .

مقلدین اصحاب تخریج کا طبقہ جیسے رازی - احمد بن علی الرازی الجصاص - اور ان کے جیسے لوگ، تو یہ لوگ سرے سے اجتہاد پر قادر ہی نہیں ہیں. مگر اصول کا علم رکھنے اور ماخذ کو محفوظ کرنے کے سبب سے دو وجہ رکھنے والے مجمل قول اور دو امور کا احتمال رکھنے والے مبہم حکم کی تفصیل پر قادر ہیں جو صاحب

مذہب سے منقول ہو..................... .

دیکھئے رازی صاحب کا کیا مقام سمجھ میں آتا ہے ؟ یہ حضرت ان لوگوں میں سے ہیں جو قرآن وسنت کے دلائل پر براہ راست غور وفکر کرنے اور ان کے ذریعہ کسی نتیجے پر پہنچنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے. یہ بیچارے نرے مقلد ہیں اور ان کا کام ائمہ کے اقوال کو الٹ پلٹ کرنا اور انھیں کی شرح و تفسیر اور خدمت میں زندگی گزار دینا ہے. جب خود اپنے گھر میں ان کی یہ حیثیت ہے تو محدثین کے یہاں ان کا کیا درجہ ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے ! اور کریلا نیم چڑھا کے مصداق یہ صاحب اعتزالی رجحان بھی رکھتے تھے بلکہ بعض لوگوں نے تو صاف طور پر ان کا شمار معتزلہ میں کیا ہے. اور معتزلہ کے تاثر سے نہ صرف یہ کہ انھوں نے جادو والی حدیث کا انکار کیا ہے بلکہ رویت باری کا بھی انکار کیا ہے جو اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے . اسی لئے امام ذہبی نے ان کے بارے میں فرمایا : " **وقيل : كان يميل إلى الاعتزال ، وفي تواليفه ما يدل على ذلك في رؤية الله وغيرها** " . (کتاب مذکور ص : ٥٠). کہا گیا کہ وہ اعتزال کی طرف مائل تھے اور ان کی تالیفات میں رویت باری وغیرہ کے سلسلے میں ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں .

٣- چند محدثین سے کچھ روایتیں بیان کرنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ بڑے محدث تھے اس لئے کہ یہ کام تو تقریبا تمام اصحاب الرائی کیا کرتے تھے مگر اس کے باوجود ان کا شمار محدثین میں نہیں ہوتا تھا.

٤- موصوف کے پاس لوگ فقہ سیکھنے آتے تھے حدیث نہیں یہ بات صرف علامہ بغدادی ہی نے نہیں بلکہ دیگر سوانح نگاروں نے بھی ذکر کی ہے کہ ان کے پاس فقہ سیکھنے والوں کا مجمع ہوتا تھا علم حدیث حاصل کرنے والوں کا نام کسی نے نہیں لیا ہے. (دیکھئے **الفوائد البهية** وغیرہ) .

۵- جصاص صاحب اعتزالی رجحان رکھنے کے ساتھ ساتھ ابوالحسن کرخی کے خاص شاگردوں میں سے تھے جیسا کہ مولانا عبدالحی لکھنوی نے بھی لکھا ہے وہ فرماتے ہیں : وكان على طريق الكرخي في الورع والزهد وبه انتفع وعليه تخرج .

اور وہ ورع زہد میں کرخی کے طریقے پر تھے اور انھیں سے فائدہ اٹھایا اور انھیں کے ہاتھوں فارغ التحصیل ہوئے. لہذا لازمی طور پر انھوں نے اپنے استاد ابوالحسن کرخی کا اثر قبول کیا ہوگا. اور ان کرخی صاحب کا نصوص قرآن وسنت کے متعلق جو رویہ تھا وہ محتاج بیان نہیں موصوف فرمایا کرتے تھے :

" كل آية تخالف مذهبنا فهي مؤولة أو منسوخة ، وكل حديث كذلك فهو مؤول أو منسوخ ".

جو آیت ہمارے مذہب کے خلاف ہوگی یا تواس کی تاویل ہوگی یا منسوخ ہوگی اسی طرح حدیث بھی یا تواس کی تاویل ہوگی یا وہ منسوخ ہوگی .

جن لوگوں کا یہ اصول ہی ہو کہ ہماری رائی اور ہمارے افکار وتصورات کے مخالف اگر قرآن وسنت کے نصوص بھی ہوں تو ان کا گلا گھونٹ دیا جائے گا ان لوگوں سے اور توقع بھی کیا کی جاسکتی ہے اور اگر اس طرح کے لوگ کسی حدیث کا انکار کردیں تو اس میں تعجب کیا ؟

اس تفصیل سے ناظرین پر امام رازی موصوف کی حقیقت کھل گئی ہوگی جن کا سہارا دور جدید کے محققین بالجبر نے لیا ہے .

اس وقت میرے پیش نظر اس حدیث کا انکار کرنے والی دو شخصیتیں ہیں .

(۱) شمس پیرزادہ صاحب .

(۲) حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی صاحب .

اور ان دونوں حضرات نے بھی تقریبا وہی اعتراضات دہرائے ہیں جو معتزلہ اور رازی اور موجودہ دور

کے منکرین حدیث اور سید قطب اور مولانا امین احسن اصلاحی وغیرہ نے کئے ہیں . میں ترتیب وار تمام اعتراضات اوران کا جائزہ آپ کی خدمت میں پیش کررہا ہوں .

ا - حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں مصر کے تمام جادوگروں کو جمع کیا گیااور انھوں نے جادو کے زور سے لاٹھیوں اور رسیوں کو سانپ بنایا جو لوگوں کے تخیل کے مطابق دوڑ رہے تھے . لیکن حضرت موسیٰ کے معجزہ کے سامنے سب جادو ختم ہوگئے . اور حضرت موسیٰ پر کوئی جادو اثر نہ کر سکااور ارشاد ہوا إن الله سيبطله ، إن الله لا يصلح عمل المفسدين ۔ یقیناً اللہ اس سحر کو باطل کردے گا. یقیناً اللہ مفسدین کے عمل کی اصلاح نہیں کرتا. یونس- ۸۱ .

لیکن نبی ﷺ کی ذات کے معاملہ میں مفسد اور جادوگر کامیاب ہوتا ہے کہیں یہ روایت کسی یہودی کی کرم فرمائی کا نتیجہ تو نہیں -؟ جو حضرت موسیٰ کو نبی ﷺ پر فضیلت دینا چاہتا ہو. ایسی صورت میں اگر ہم اس کہانی کو تسلیم کرلیتے ہیں تو اس سے یہودیوں کا مقصد پورا ہو جاتا ہے. (مذہبی داستانیں).

☆ تعجب ہے کہ صدیقی صاحب محقق ونقاد ہونے کے باوجود جیسا کہ ان کی کتاب کے سرورق پر لکھا ہے اس طرح کی سطحی باتیں کرتے ہیں اور بالکل اسی طرح کا انداز تفضیل اپنا رہے ہیں جو بوقت تکرار دیہات کی گنوار عورتیں اختیار کرتی ہیں . اگر اسی انداز کا مقارنہ کرنا ہو اور اسی قسم کی جزئی خصوصیات یا حالات کے وقتی نتائج کی بنیاد پر نبی ﷺ کی فضیلت ثابت کرنی ہو تو آپ اس اعتبار سے تو افضل ہرگز نہیں قرار دیئے جاسکتے . کیونکہ ہر نبی کی کوئی نہ کوئی ایسی خصوصیت ہو سکتی ہے جو آپ کے اندر نہ پائی جائے، یا جس طرح کے حالات آپ کو پیش آئے ہوں، یا جس قدر مشقتیں آپ کو برداشت کرنی پڑی ہوں دیگر انبیاء کو ایسے حالات نہ پیش آئے ہوں نہ اس قدر اذیتیں اٹھانی پڑی ہوں تو آپ جیسا کوئی ماہر تاریخ اور محقق ونقاد برپا ہو اور یہ فیصلہ صادر فرمائے کہ جناب دیکھئے محمد ﷺ کو پتھر کھانے پڑے، آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے یا آپ کے ساتھ ایسا ایسا استہزائی رویہ اپنایا گیا مگر فلاں نبی کو تو اس طرح کے واقعات کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور وہ ایسے حادثات سے دوچار نہ ہوئے اور اس طرح تو ہمارے نبی پر اس نبی کی افضلیت ثابت ہوتی ہے لہذا یقینی طور پر یہ یہودیوں کی گڑھی ہوئی روایت ہے یا نصاریٰ کی

سازش کا نتیجہ ہے تو اب بتائیے کہ محدثین بیچارے آپ کا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟ کیونکہ آپ تو شیخ القرآن اور امام الحدیث ہیں اور درایت جیسا مضبوط حربہ بھی آپ کے پاس ہے جس کے ذریعہ آپ کسی مستحکم ترین حدیث کی عمارت کو بھی ڈائنامیٹ کر سکتے ہیں ۔ ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے ۔

مگر یہ کیا ؟ درایت والے ایک دوسرے بزرگ تو آپ کے مخالف رائے رکھتے ہیں وہ تو فرماتے ہیں کہ جادو کا اثر تو موسیٰ علیہ السلام پر بھی ہوا تھا ۔

تفہیم القرآن ملاحظہ فرمائیں : " نبی پر جادو کا اثر ہو سکتا ہے، یہ بات تو قرآن مجید سے بھی ثابت ہے. سورۂ اعراف میں فرعون کے جادوگروں کے متعلق بیان ہوا ہے کہ حضرت موسیٰ کے مقابلے میں جب وہ آئے تو انھوں نے ہزارہا آدمیوں کے اس پورے مجمع کی نگاہوں پر جادو کر دیا جو وہاں دونوں کا مقابلہ دیکھنے کے لئے جمع ہوا تھا (سحروا أعین الناس - آیت ۱۱۶) ، اور سورۂ طٰہٰ میں ہے کہ جو لاٹھیاں اور رسیاں انھوں نے پھینکی تھیں ان کے متعلق عام لوگوں ہی نے نہیں حضرت موسیٰ نے بھی یہی سمجھا کہ وہ ان کی طرف سانپوں کی طرح دوڑی چلی آ رہی ہیں اور اس سے حضرت موسیٰ خوف زدہ ہو گئے ....

(ج ٦ ص : ٥٥٦) .

اب ہم جیسے لوگ جو آپ حضرات کی طرح بلند و بالا اور ہر طرح کے نقص سے پاک اور منزہ عقول کے مالک نہیں ہیں وہ کس کی درایت کا لوہا مانیں ؟ اور کسے مرد میدان قرار دیں ؟؟؟ .

یوں ہی جی میں آتا ہے کہ ایک حدیث آپ کی خدمت میں پیش کروں مگر نہ جانے آپ کا تیشہ درایت اس کا کیا حشر کرے بہر کیف جو ہونا ہے، وہ تو ہو کر رہے گا : نبی ﷺ فرماتے ہیں :

لا تخيروني على موسى ، فإن الناس يصعقون يوم القيامة ، فأصعق معهم ، فأكون أول من يفيق فإذا موسى باطش جانب العرش ، فلا أدرى أكان فيمن صعق فأفاق قبلي ، أو كان ممن استثنى الله . (بخاری کتاب الخصومات) .

موسیٰ پر میری خیریت ثابت کرنے کی کوشش نہ کرو کیونکہ لوگ قیامت کے دن گھبراہٹ کے مارے

بے ہوش ہو جائیں گے تو میں بھی ان کے ساتھ بے ہوش ہو جاؤں گا، پھر سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا (تو کیا دیکھوں گا کہ) موسی عرش کا گوشہ مضبوطی سے تھامے ہوں گے، مجھے نہیں معلوم کہ آیا وہ بھی بے ہوش ہونے والوں میں ہونگے پھر مجھ سے پہلے ہوش میں آجائیں گے یا ان لوگوں میں ہوں گے جنھیں اللہ تعالی نے مستثنی قرار دے دیا ہے.

اللہ جانے اس حدیث کے پیچھے آپ کو کون کون نظر آئے گا ؟اور آپ کی پریشانی کس قدر فزوں ہو گی؟

اللهم أرنا الحق حقا وارزقنا اتباعه،وأرنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه.

۲- بعض روایات میں یہ ذکر ہے کہ جب آپ پر جادو کیا گیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام معوذتین لے کر نازل ہوئے حالانکہ یہ دونوں سورتیں مکی ہیں اور یہ واقعہ مدینے میں پیش آیا .

(کئی لوگوں نے اس کا ذکر کیا ہے انھیں میں پیرزادہ صاحب بھی ہیں) .

☆ اس حدیث کا انکار کرنے والے اکثر لوگوں نے اس بات پر بڑا زور صرف کیا ہے کہ معوذتین کو مکی ثابت کر دکھائیں اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو کہ حدیث زیر بحث غلط ثابت ہو جائے، حالانکہ یہ سورتیں اگر مکی بھی ہوں تب بھی نفس واقعہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا اس لئے کہ اسباب نزول کبھی کبھی متعدد ہوتے ہیں اور موقع کی مناسبت سے کلام دوبارہ نازل کیا جاتا ہے. اس طرح کی تفصیلات اصول تفسیر اور علوم القرآن کی کتابوں میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں. مگر محققین کو اتنی فرصت کہاں ہے ؟

ویسے ان سورتوں کا مکی ہونا محل خلاف ہے اور بہت سے علماء نے انھیں مدنی قرار دیا ہے. ابن الجوزی اپنی تفسیر ۹ : ۲۷۰ میں فرماتے ہیں : " **وفيهما قولان أحدهما مدنية رواه أبو صالح عن ابن عباس وبه قال قتادة في آخرين ، والثاني مكية رواه كريب عن ابن عباس وبه قال الحسن وعطاء وعكرمة وجابر والأول أصح ويدل عليه أن رسول الله ﷺ سحر وهو مع عائشة فنزلت عليه المعوذتان ....** ".

ان سورتوں کے متعلق دو اقوال ہیں. ایک قول کے مطابق یہ سورتیں مدنی ہیں ابو صالح نے یہ بات ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور قتادہ نے دوسرے لوگوں کے ساتھ یہی بات کہی ہے. اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سورتیں مکی ہیں اور اس بات کو ابن عباسؓ سے کریب نے روایت کیا ہے اور یہی حسن وعطا اور عکرمہ وجابر کا قول ہے. اور پہلا قول ہی صحیح ہے اور اس کی صحت پر دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا گیا جبکہ آپ حضرت عائشہؓ کے ساتھ تھے چنانچہ آپ پر معوذتین کا نزول ہوا......

۳- ﴿وقال الظالمون إن تتبعون إلا رجلا مسحورا﴾

اور ظالموں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ تم ایسے آدمی کے پیچھے لگ گئے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے.

دراصل یہ حدیثیں ملحدوں کی وضع کردہ ہیں جو رذیلوں اور اوباشوں کو اہمیت دیتے اور بتدریج لوگوں کو اس بات کے تیار کرنے کے لئے گڑھی گئی ہیں تاکہ انبیاء کے معجزات کو باطل کیا جائے اور ان میں شبہ ڈالا جائے. اور اس کا قائل کیا جائے کہ انبیاء کے معجزات اور جادوگروں کی شعبدہ کاریوں میں کوئی فرق نہیں ہے. اور سب کی سب ایک ہی قسم سے تعلق رکھتی ہیں. یہ کلام رازی کا ہے. (مذہبی داستانیں)

یہ روایت قرآن سے متصادم ہے کیونکہ قرآن نے کفار کے اس الزام کی نفی کی ہے کہ نبی ایک سحر زدہ آدمی ہے. يقول الظالمون إن تتبعون إلا رجلا مسحورا ۔(ظالم کہتے ہیں تم لوگ تو ایک سحر زدہ آدمی کی پیروی کر رہے ہو (بنی اسرائیل ۴۷) گویا قرآن جس بات کی تردید کر رہا ہے یہ روایت اس کی تردید کر رہی ہے. (دعوت القرآن).

احناف کا طریقہ ہے کہ جب کوئی روایت قرآن کے خلاف واقع ہوتی ہے تو یا تو اس کی تاویل کرتے ہیں یا اسے رد کر دیتے ہیں. امام ابو بکر جصاص کے نزدیک یہ روایت خلاف قرآن ہے اسی لئے وہ اتنے سخت الفاظ استعمال کر رہے ہیں. (مذہبی داستانیں).

☆ مذکورہ بالا آیت کا مفہوم اگر سمجھ میں آجائے اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے تو سارا جھگڑا ختم ہو سکتا ہے. مگر اصل آفت تو عدم فہم یا قلت فہم کے ساتھ عدم انصاف ہے. اللہ تعالی ہمیں ہر طرح کی

کج فہمی اور ظلم سے بچائے . اس آیت کا مفہوم صاف ہے کہ کفار مکہ نبی ﷺ کی اتباع کے متعلق مسلمانوں پر نکیر کر رہے ہیں کہ تم جس شخص کی اتباع کر رہے ہو اس کا دعوی اگر چہ یہ ہے کہ اس کی طرف وحی الٰہی کا نزول ہوتا ہے حالانکہ یہ در حقیقت وحی الٰہی نہیں بلکہ القائے شیطانی کا نتیجہ ہے اور یہ امر نبوت سارا کا سارا سحر ہے جو شیاطین کی طرف سے صادر ہوتا ہے جو محمد ﷺ پر مسلط ہو چکے ہیں مگر وہ اس بات کو سمجھ نہیں پاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ باتیں انھیں بذریعہ ملائکہ اللہ کی جانب سے مل رہی ہیں چنانچہ اس بات پر زور دینے کی خاطر کفار نے آپ کو شاعر بھی کہا کیونکہ ان کے یہاں یہ بات مشہور تھی کہ شعراء کے پاس جنوں میں سے قرین ہوا کرتے ہیں جو ان کے اوپر شعر کا القا کرتے ہیں .

معلوم ہوا کہ کفار مکہ اپنی سازش اور ملی بھگت کی وجہ سے آپ پر جس قسم کے سحر کا الزام لگا رہے تھے وہ یہ سحر نہیں تھا جو لبید بن عاصم نے آپ پر کیا تھا اس سے تو آپ کو محض ایک تکلیف سی محسوس ہوتی تھی نہ کہ آپ کی قوت ادراک و تمیز ختم ہو گئی تھی . اب یہ الگ بات ہے کہ روایت کے بعض الفاظ کا سہارا لے کر کچھ لوگ یہ ثابت کرنا چاہیں کہ اس سے یقیناً آپ کی قوت تمیز کا فقدان لازم آتا ہے . حالانکہ ان الفاظ سے ہر گز یہ بات ثابت نہیں ہوتی جیسا کہ آگے اس پر بحث آرہی ہے . مگر ہٹ دھرمی اور بیجا ضد کا کوئی علاج نہیں . اور یہیں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ حدیث کسی بھی اعتبار سے قرآن کی اس آیت سے ٹکراتی نہیں ہے بلکہ زبردستی اس طرح کا ٹکراؤ پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور یہ ٹکراؤ محض ان کے ذہن و دماغ کا ٹکراؤ ہے . اس بات کو قرآن ہی کی ایک آیت سے سمجھئے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے : ﴿واللہ یعصمک من الناس﴾ یعنی اللہ تعالی آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا . ایک طرف تو حفاظت کا وعدہ ہے دوسری طرف جنگ احد میں آپ کو لوگوں سے از حد تکلیف پہنچی اور آپ زخمی ہو گئے ، آپ کے دندان مبارک شہید ہو گئے اس کے علاوہ بھی لوگوں کی طرف سے آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچتی رہتی تھیں تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ جن حدیثوں میں اس طرح کے واقعات ذکر کئے گئے ہیں وہ حدیثیں قرآن کی اس آیت سے ٹکرا رہی ہیں اور متصادم ہیں لہذا ان حدیثوں کو رد کر دیا جائے گا ؟ . یقیناً نہیں . کیونکہ جس طرح کی حفاظت کا وعدہ آپ سے کیا گیا ہے یہ تکلیفیں اس کے

منافی نہیں ہیں. اسی طرح آیت میں جس سحر کی تردید کی گئی ہے وہ اس سحر سے بالکل الگ چیز ہے جس کا ذکر حدیث میں کیا گیا ہے. فافہم .

اسی طرح آیت لا یفلح الساحر حیث أتی کا مطلب واضح ہے کہ انجام کے اعتبار سے جادوگر کو کامیابی نصیب نہیں ہو سکتی یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اپنی کوشش میں کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتا. یہ مفہوم تو آپ جیسے محققین کے سوا کسی نے بیان نہیں فرمایا ہے بلکہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تو اس کی تفسیر میں حضرت جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کا قول ذکر فرمایا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ساحر کہیں بھی نہیں بچ سکتا اور اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ اسے جب پکڑو قتل کردو .

(تفسیر ابن کثیر ج۳ ص : ۲۳۱) .

حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ آیتیں یا وہ آیتیں جو معتزلہ وغیرہ نے پیش کی ہیں ان میں سے کسی کا تصادم اس حدیث سے نہیں ہوتا یہ صرف ان حضرات کی کج فہمی کا نتیجہ ہے کہ جب ان کی غلط فہم کو آیت وحدیث میں ٹکراؤ محسوس ہوتا ہے تو یہ اپنی فہم کو قصوروار ٹھہرانے کے بجائے حدیث ہی کو مشق ستم بنانے لگتے ہیں. اور بعض لوگوں کا مقصد تو ہر حال میں ذخیرۂ احادیث اور اصول محدثین میں تشکیک ہوتا ہے لہذا یہ شاطر قسم کے لوگ اسی طرح کی چیزوں کا سہارا لے کر کم علم لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں. واللہ المستعان.

اور رازی صاحب نے جو اس قسم کے سخت الفاظ استعمال کئے ہیں تو انھوں نے یہاں پر اس اصول کو فراموش کر دیا ہے کہ رحم اللہ رجلا عرف قدر نفسہ فوقف عند حدہ . یہاں انھوں نے اپنے قد سے اونچا جانے کی کوشش کی ہے. اور نتیجہ ظاہر ہے کہ نادی علی نفسہ لا علی غیرہ . واللہ الموعد.

رہی بات احناف کے اصول کی یا رازی صاحب کے اس اصول کی روشنی میں فیصلہ صادر فرمانے کی تو اس سلسلے میں اس مختصر سے مضمون میں کیا عرض کیا جا سکتا ہے سوائے اس کے کہ یہ تو اپنے اپنے ظرف کی بات ہے اور نبی ﷺ کی عقیدت و محبت کے سلسلے میں اصحاب الرای اور اصحاب الحدیث کے درمیان جو فرق ہے وہ یہاں پر بالکل واضح ہے اور سر چڑھ کے بول رہا ہے .

۴- اگر اس روایت کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ اس کا اثر آپ کے ذہن پر ہوا اس لئے کہ بعض روایتوں میں یہ جملہ ہے کہ حتی كان يخيل إليه أنه فعل الشيئ ولم يفعله کسی کام کے متعلق یہ خیال کرتے کہ کر لیا ہے لیکن نہیں کیا ہوتا اور یہ بات نہیں چل سکتی کہ اس کا اثر فقط آپ کے جسم پر ہوا تھا. (اوروں کے علاوہ دعوۃ القرآن میں بھی یہ اعتراض موجود ہے) .

☆ بڑے بڑے ائمہ حدیث اور ماہرین کلام عرب کی نظر سے یہ جملہ گزرا کہ حتی كان يخيل إليه أنه فعل الشيئ ولم يفعله . مگر ان میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ کی عقل زائل ہو گئی تھی یا اس قدر متاثر ہو گئی تھی کہ آپ امور تبلیغ میں کوتاہی کے مرتکب ہونے لگیں . یہ بات سوائے چند درایتی پہلوانوں کے اور کسی نے نہیں کہی جو خالی میدان میں خم ٹھونک کر پینترے بدلنے اور اپنی جولانیاں دکھانے کے عادی ہوتے ہیں. اور اہل علم نے اس طرح کے شاذ لوگوں کے سلسلے میں جو جملے استعمال کئے ہیں اگر ان تمام کا ذکر کروں تو شاید انھیں سے ایک کتاب تیار ہو جائے میں یہاں صرف حافظ بن حجر کے واسطے سے علامہ مازری رحمہ اللہ کا کلام نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں وہ فرماتے ہیں : " أنكر بعض المبتدعة هذا الحديث وزعموا أنه يحط منصب النبوة ويشكك فيها ، قالوا : وكل ما أدى إلى ذلك فهو باطل وزعموا أن تجوز هذا يعدم الثقة بما شرعوه من الشرائع ....

بعض بدعتیوں نے اس حدیث کا انکار کیا ہے اور ان کا گمان یہ ہے کہ یہ حدیث منصب نبوت میں قادح ہے اور اس میں شک پیدا کرتی ہے. وہ کہتے ہیں کہ جو چیز اس خیال کی طرف لے جائے وہ باطل ہے اور ان کا گمان یہ ہے کہ اسے جائز قرار دینا ان کی بیان کردہ شرائع سے اعتماد ختم کر دیتا ہے کیونکہ اس بات کا احتمال پیدا ہوتا ہے کہ انھیں یہ خیال گزرے کہ وہ جبرئیل کو دیکھ رہے ہیں اور انھیں وحی کی باتیں بتا رہے ہیں حالانکہ وہ وہاں موجود نہ ہوں مازری نے فرمایا : یہ تمام باتیں مردود ہیں اس لئے کہ نبی ﷺ اللہ تعالی کی طرف سے جو باتیں پہنچاتے ہیں ان میں آپ کے صدق پر اور تبلیغ کے سلسلے میں آپ کی عصمت پر دلیل قائم ہو چکی ہے اسے جائز قرار دینا باطل ہے. رہے بعض وہ امور دنیا جن کی وجہ سے نہ تو

آپ کی بعثت ہوئی نہ ہی اس کے سبب سے آپ کو رسالت ملی تو آپ بھی ان چیزوں کا شکار ہو سکتے ہیں جن کا بشر شکار ہوتا ہے. پھر آگے چل کر حافظ بن حجرؒ نے قاضی عیاض رحمہ اللہ کا قول نقل فرمایا ہے کہ اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ جادو کا تسلط آپ کے جسم پر اور ظاہری اعضاء پر ہوا تھا نہ کہ آپ کی تمیز اور عقیدے پر .الخ (فتح الباری ۱۰/۲۲۶ ، ۲۲۷) .

اہل سنت والجماعت کے اصولوں میں ایک اہم اصول جمع أطراف الادلۃ بھی ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی موضوع کے متعلق قرآن وسنت کے جس قدر نصوص مل سکیں یا جو بھی دلائل ہوں ان سب کو جمع کیا جائے اور اس کے بعد ان تمام کی روشنی میں کوئی فیصلہ کیا جائے جبکہ اہل بدعت کا وطیرہ یہ رہا ہے کہ انھیں دلائل کے جمع کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی بلکہ دلائل کے اجزاء میں سے وہ جز یا وہ ٹکڑا لے لیتے ہیں جو ان کی خواہشات کے موافق یا ان کے مقصد کی تکمیل میں معاون ثابت ہوتا ہے. یہ بہت ہی واضح اور جوہری فرق وامتیاز ہے جو اہل سنت اور اہل بدعت کے مابین ہے . یہاں بھی اس منحرف گروہ نے یہی طریقہ اپنایا ہے .

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں جسے عیسی بن یونس وغیرہ نے روایت کیا ہے حتی کان رسول اللہ ﷺ یخیل إلیہ أنہ کان یفعل الشیئ وما فعلہ . یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ نے کوئی کام کیا ہے حالانکہ آپ نے وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا .

الفاظ کی تعبیر میں مختلف رواۃ نے جو انداز بیان اختیار کیا ہے اسی سے بعض اہل بدعت نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے حالانکہ انھوں نے اپنے عام ماحول کے اعتبار سے کنائی انداز اختیار فرمایا تھا کیونکہ آپ کا یہ احساس صحبت کے متعلق تھا اور اس زمانے میں عام طور پر لوگ اس طرح کی باتوں کو کھلے الفاظ میں بیان کرنے سے احتراز کیا کرتے تھے جبکہ بعض رواۃ نے اپنی شرائط کے مطابق بالکل وہی الفاظ استعمال کئے جو انھوں نے سنا تھا . اور اس خیال سے بھی اس کو واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہوگا کہ کہیں کچھ بڑی عقل والوں کو غلط فہمی نہ ہو جائے یا کوئی الفاظ کے پیچ وخم میں الجھا کر حدیث ہی پر ہاتھ نہ صاف کر جائے جیسا کہ احتیاط کے باوجود یہ بات ہو کر رہی اور قدر اللہ وماشاء فعل کا نقشہ سامنے آیا کہ کچھ عقلیت کے ،

مارے مداری قسم کے لوگ بے جا اچھل کود مچانے لگے کہ صاحب عصمت نبوت پر حرف آرہا ہے اور اس سلسلے میں نہ ہم بخاری کی رکھیں گے نہ مسلم کی، یہ سب تو روایت پرست لوگ تھے، ان کو درایت نہیں معلوم تھی . جبکہ قربان جایئے محدثین کی بصیرت وژرف نگاہی کے کہ انھوں نے اپنے اصول کے مطابق جمع وترجیح سے کام لیا اور حقیقت کھل کر ان کے سامنے آگئی کہ اس جادو کا اثر محض آپ کے مخصوص احساس اور جسم پر ہوا تھا نہ کہ اس سے آپ کی عقل ہی زائل ہو گئی تھی.

حافظ دنیا علامہ ابن حجر عسقلانی مازری سے رقم طراز ہیں : " **وقد قال بعض الناس أن المراد بالحديث أنه كان ﷺ يخيل إليه أنه وطئ زوجاته ولم يكن وطأهن ، وهذا كثيرا ما يقع تخيله للإنسان في المنام فلا يبعد أن يخيل إليه في اليقظة** ".

بعض لوگوں نے کہا حدیث سے مراد یہ ہے کہ نبی ﷺ کو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ نے اپنی بیویوں سے صحبت فرمائی ہے حالانکہ آپ نے صحبت نہیں کی ہوتی تھی، اور اس طرح کا تخیل انسان کو اکثر نیند میں ہوا کرتا ہے، تو یہ چیز بعید نہیں کہ ایسا احساس بیداری میں بھی اسے پیدا ہو .

حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں : " **قلت : وهذا قد ورد صريحا في رواية ابن عيينة في الباب الذي يلي هذا ولفظه : " حتى كان يرى أنه يأتي النساء ولا يأتيهن " .وفي رواية الحميدي " أنه يأتي أهله ولا يأتيهم "** (فتح الباری ۱۰ / ۲۲۷) .

میں کہتا ہوں : یہ تو اس سے متصل باب میں صریح طور پر ابن عیینہ کی روایت میں وارد ہوا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں : یہاں تک کہ آپ یہ سمجھتے کہ آپ نے عورتوں سے صحبت فرمائی ہے حالانکہ آپ نے صحبت نہیں کی ہوتی تھی . اور حمیدی کی روایت میں ہے کہ آپ کو یہ احساس ہوتا کہ اپنی بیویوں سے صحبت فرمائی ہے حالانکہ آپ نے ان سے صحبت نہیں کی ہوتی تھی .

یہ روایتیں بالکل واضح اور صریح ہیں ان میں کسی طرح کا ابہام نہیں پایا جاتا. اور سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے اس کی حقیقت کی عقدہ کشائی کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ جادو کی بڑی سخت قسم ہوتی ہے کہ اس کے ذریعہ جنسی بندش کر دی جاتی ہے. ان بزرگوں کو یہ خطرات کہیں نظر نہیں آئے جن کا یہ حضرات ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں. بلکہ ان کی روایتوں سے اس احساس کی شدید ترین صورتوں کا دائرۂ اثر ظاہر

ہو جاتا ہے ۔ حمیدی رحمہ اللہ کی روایت جس میں عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان ہے کہ آپ کو ایسا محسوس ہوتا کہ آپ نے اپنی بیویوں سے صحبت کی ہے حالانکہ آپ نے صحبت نہیں کی ہوتی تھی، اس روایت کو اور سفیان بن عیینہ کی روایت کو اور عیسی بن یونس کی روایت کو جس میں عام احساس کے الفاظ بیان کئے گئے ہیں ان تینوں روایتوں کو ذکر کرنے کے بعد علامہ یمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : " والرواية الأولى فيما يظهر أصح الروايات فالأخريان محمولتان عليها وفي فتح البارى ١٠ : ١٩٣ " قال بعض العلماء ....

ظاہری اعتبار سے پہلی روایت زیادہ صحیح ہے اور دوسری دونوں روایتیں اسی پر محمول ہیں اور فتح الباری ١٠ : ١٩٣ میں ہے کہ بعض علماء نے کہا کہ اس بات سے کہ آپ یہ گمان کرتے تھے کہ آپ نے کچھ کیا ہے حالانکہ آپ نے اسے کیا نہیں ہوتا تھا۔ یہ لازم نہیں آتا کہ آپ اس کام کے کرنے کا یقین کر لیا کرتے تھے ۔ یہ تو خیال کی جنس سے ہوتا تھا جو گزر جاتا تھا اور ثابت نہیں رہتا تھا"۔ میں کہتا ہوں کہ حدیث کے سیاق ہی میں وہ چیز موجود ہے جو اس بات کی شہادت دیتی ہے کیونکہ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ کو اس مرض کا شعور تھا اور آپ نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ وہ آپ کو اس بیماری سے شفا عطا فرمائے ۔ چنانچہ خبر کی دلالت سے جو بات متحقق ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اس زمانے میں آپ کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے ہیں حالانکہ آپ ﷺ اس بات کو جانتے تھے کہ ان کے پاس آئے نہیں ہیں ۔ اس کے باوجود خلاف عادت وہ خیال آپ کے ذہن میں پیدا ہو جاتا تھا، لہذا آپ کو اس سے اذیت محسوس ہوتی تھی ۔ اور حدیث کو اس پر محمول کرنے میں نہ کوئی تعسف ہے نہ تکلف ۔ (الأنوار الكاشفة ص : ٢٤٩) ۔

محدثین کے یہاں جمع و توفیق کا اصول ہے جو عین فطری اصول ہے اسی وجہ سے ان کے ذہن و دماغ میں وہ خلجان اور اضطراب پیدا نہیں ہوتا جو عقلی پہلوانوں کی نیند اڑا دیتا ہے ۔

ایک دوسرے انداز سے بھی اس پر غور کیا جائے تو حقیقت مزید نکھر کر سامنے آجاتی ہے ۔ اس حدیث پر اعتراض کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ اس واقعے کو صرف حضرت عائشہ نے کیوں بیان کیا حالانکہ یہ ایسا

اہم واقعہ تھا کہ لوگوں کو کثرت کے ساتھ اسے بیان کرنا چاہئے تھا. اگر یہ حضرات اپنی بلند و بالا عقل کو تھوڑی سی زحمت دیتے تو یہ بات ان کی سمجھ میں آسکتی تھی کہ اس واقعے کا تعلق نبی ﷺ کی نجی اور پرائیویٹ زندگی سے تھا اسی لئے اس کا اتنا شہرہ نہیں ہو سکا بلکہ مخصوص لوگ ہی اس واقعے سے آگاہ ہو سکے. دوسری بات یہ ہے کہ اسے شہرت دینے میں اس وقت شر پھیلنے کا خطرہ تھا جیسا کہ بعض روایتوں میں اس کی صراحت بھی آئی ہے اس لئے آپ نے اس وقت اس واقعے کو دبا دیا. اور بعد میں جب یہ خطرہ ٹل گیا تو حضرت عائشہؓ نے عبرت کے طور پر یہ واقعہ اپنے بھانجوں یا اقارب سے بیان کر دیا اسی طرح دیگر لوگوں میں سے بھی جسے یہ واقعہ معلوم تھا اس نے کچھ لوگوں کو اس کے بارے میں بتایا اور بعد میں یہ واقعہ رفتہ رفتہ اس قدر مشہور ہوا کہ ہر آدمی اس کے بارے میں جاننے لگا. اگر اس کا تعلق آپ ﷺ کی عام ذہنی حالت سے ہوتا تو یقیناً یہ بات اسی وقت مشہور ہو گئی ہوتی مگر جب کہ ایسا نہیں ہوا تو اس سے یقینی طور پر یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ اس کا تعلق آپ کی زندگی کے مخصوص شعبے سے تھا .

۵- سحر کے اس واقعہ کو تسلیم کرنے سے عصمت انبیاء پر حرف آتا ہے کیونکہ روایت میں سحر کا اثر محض جسمانی حالت پر نہیں بلکہ ذہنی کیفیت پر بھی بتایا گیا ہے. ظاہر ہے یہ بات منصب نبوت میں قادح ہے. اس لئے یہ دلیل بے معنی ہے کہ اگر آپ زخمی ہو سکتے تھے تو آپ پر جادو کا اثر بھی ہو سکتا تھا. عصمت انبیاء کا مسئلہ اجماعی ہے اور قرآن و سنت اس پر ناطق ہیں اس لئے ایسی روایت جو منصب نبوت میں قادح ہو ہرگز قابل اعتنا نہیں ہو سکتی خواہ وہ بخاری کی روایت ہو یا مسلم کی .
(دعوت القرآن، مولانا امین احسن اصلاحی اور دیگر لوگوں نے بھی اس طرح کی باتیں کہی ہیں) .

☆ پچھلی تفصیلات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اس بیماری کا اثر آپ کے جسم یا مخصوص احساس پر ہوا تھا عام ذہنی حالت پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑا تھا. لہذا عصمت انبیاء سے اس معاملے کا کوئی تعلق اس حیثیت سے نہیں ہے کہ اس میں شک پیدا ہو، بلکہ اس واقعے سے اس اصول کو مزید تقویت پہنچتی ہے. کیونکہ اللہ تعالی نے اس بیماری کے باوجود وحی کو ہر طرح کی آلودگی اور شک و شبہ سے محفوظ رکھا. لہذا اصحابہ

وتابعین اور ائمہ متبوعین میں سے کسی کے ذہن میں یہ خیال تک نہیں گزرا کہ اس سے عصمت نبوت پر کوئی حرف آسکتا ہے. بلکہ تمام لوگ اسے ایک عارضہ کی صورت میں لیتے رہے جو بشر کو لاحق ہو سکتا ہے .اور اس سے نبی ﷺ کی ذات بھی مستثنیٰ نہیں ہے. اور طرفہ یہ ہے کہ عصمت نبی کے دفاع اور سنت رسول کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں دینے والے غیرت مند جیالوں کو جنھوں نے رسول ﷺ اور ان کے دین کے دفاع میں اپنی زندگی صرف کر دی اس بات کا احساس تک نہیں پیدا ہو سکا کہ اس واقعے سے نبی کی عصمت پر حرف آتا ہے ؟ اور ان لوگوں کو جو زبردستی امام حدیث بن کر سنت رسول ﷺ کے ساتھ کھلواڑ کرنے میں شہرت رکھتے ہیں یہ حقیقت معلوم ہو گئی !!!

کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

۷- ہم کتب رجال میں متعدد ایسے راویوں کے حالات دیکھتے اور پڑھتے ہیں کہ وہ روایات وضع کر کے انھیں ثقہ راویوں کی جانب منسوب کر دیتے. متعدد رواۃ نے امام مالک اور ہشام بن عروہ وغیرہ کے نام سے روایات وضع کر کے پھیلائی ہیں. ہو سکتا ہے کہ یہ بھی اسی قسم کی ایک روایت ہو.

(مذہبی داستانیں) .

اسی برتے پر محقق بننے کا شوق ہوا تھا ؟ اس طرح کے لچر پوچ احتمالات کا نقل کر دینا ہی اس کی تردید کے لئے کافی ہے . اور اس طرح کی باتوں سے محقق صاحب کا حدود اربعہ اور طول عرض بھی کھل کر سامنے آجاتا ہے اور ان کی تحقیقی صلاحیتوں کا بھانڈا بیچ چوراہے پر پھوٹ جاتا ہے. اگر اسی طرح کے احتمالات سے نصوص کے رد کر دینے کا سلسلہ چل نکلا تو نہ صرف یہ کہ کسی بھی دین ومذہب پر اعتماد باقی نہیں رہے گا بلکہ دنیا کا بھی کوئی کاروبار جاری نہیں رہ سکے گا . آپ خود ہی غور فرمائیں کہ اس دنیا میں یقیناً جھوٹوں اور فریبیوں کا وجود ہے مگر اس بنیاد پر کہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں یا فریب کرتے ہیں ساری دنیا کی باتوں کو ساقط کر دیا جائے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ انھوں نے جھوٹ بولا ہو یا فریب کیا ہو ؟ اگر ہو سکتا ہے کو اصول یا معیار قرار دیا جائے تو دنیا کی کسی بات پر بھی اعتماد باقی نہیں رہ سکتا ہے.

حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کے لوگ ذہنی مریض ہوتے ہیں اور ہر چیز کا صرف تاریک پہلو ہی ان کے سامنے آتا ہے اور ہر چیز کے بارے میں صرف منفی سوچ ہی رکھتے ہیں. ایسے لوگوں کے لئے موجودہ صورت حال میں ہم صرف دعا ہی کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں اس بیماری سے شفا عطا فرمائے .

۸- یہ روایت ہشام کے علاوہ کوئی بیان نہیں کرتا. اور ہشام کا ۱۳۲ھ میں دماغ جواب دے گیا تھا. بلکہ حافظ عقیلی تو لکھتے ہیں. قد خرف في آخر عمره . آخر عمر میں سٹھیا گئے تھے تو اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ روایت سٹھیانے سے پہلے کی ہے. (مذہبی داستانیں) .

جہاں تک سلسلہ روایت کا تعلق ہے اس میں ایک راوی ہشام ہیں جو اگرچہ ثقہ ہیں لیکن علامہ بن حجر نے تہذیب التہذیب میں ان کے بارے میں ایک بات یہ بھی نقل کی ہے کہ وہ عراق جانے کے بعد اپنے والد سے بکثرت روایت کرنے لگے تھے جس پر اہل عراق نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا نیز یہ کہ مالک نے ان کی ان حدیثوں پر جو وہ اہل عراق سے بیان کرتے تھے نکارت کا اظہار کیا ہے . وہ تین مرتبہ کوفہ آئے تھے پہلی مرتبہ وہ اس طرح روایت کرتے حدثني أبي قال سمعت عائشة میرے والد نے مجھ سے بیان کیا کہ انھوں نے حضرت عائشہ کو فرماتے ہوئے سنا اور دوسری مرتبہ آئے تو اس طرح روایت کرنے لگے أخبرني أبي عن عائشة مجھے میرے والد نے خبر دی کہ عائشہ سے روایت ہے اور تیسری مرتبہ آئے تو ان الفاظ میں روایت کرنے لگے "أبي عن عائشة میرے والد نے عائشہ سے روایت کی ہے " (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۵۰) اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہشام اگرچہ ثقہ راوی تھے لیکن روایت کرنے میں کچھ بے احتیاطیاں بھی ان سے ہونے لگی تھیں. ایسی صورت میں ان کی نبی ﷺ پر سحر والی روایت کو جو ایک بہت بڑے مسئلہ میں ہے ان کی بے احتیاطی پر کیوں نہ محمول کیا جائے .

(دعوت القرآن) .

☆ جس شخص کے دل سے اللہ کا خوف نکل جائے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے. اپنی مطلب براری کے لئے مرجوح اور ضعیف ترین اقوال کا سہارا لینا ہمیشہ سے اہل بدعت کا شیوہ رہا ہے. اور معمولی سے احتمال کی بنیاد پر جس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی مضبوط و مستحکم ترین شخصیات کی تجریح اور انھیں ساقط الاعتبار

قرار دینے کی سعی نا مسعود کوثری اور ان کے متبعین کی معروف روش رہی ہے . اور اس سلسلے میں یہ حضرات کس قسم کی تحقیق انیق فرماتے ہیں وہ اہل علم کو خوب معلوم ہے لہذا آپ کے اس شعبدے بازی کی دھونس یہاں نہیں چل سکتی .

موصوف نے سوچا ہوگا کہ بھاری بھر کم حوالے کے ساتھ جو امام وقت ہشام بن عروہ کو ذہنی طور پر معذور ثابت کرنے والی روایت ڈھونڈ لائے ہیں اس کی حیثیت کا پتہ کسے چل سکے گا ؟ اور طلاب علم کو اتنی فرصت کہاں ہوگی کہ ان کی قلعی کھول سکیں ؟ رہے وہ بے چارے جو ان کی باتوں پر آفریں وسبحان اللہ کہتے ہوئے سر دھننے والے ہیں تو انھیں بھلا آپ کی لاجواب تحقیق کو چیلنج کرنے یا اس کی حقیقت کے متعلق سوچنے اور غور وفکر کرنے اور اس کی حقیقت کا پتہ لگانے کی صلاحیت وجرأت کہاں ؟

امام فن علامہ ذہبی کا چیلنج

امام ہشام بن عروہ رحمہ اللہ کے ذہنی اختلاط کی بات سب سے پہلے حافظ بن القطان متوفی ۶۲۸ھ نے اٹھائی موصوف اگرچہ حافظ حدیث اور ناقد فن تھے مگر ان کے اندر کبھی کبھی نامناسب تشدد آجاتا تھا جیسا کہ تذکرۃ الحفاظ میں علامہ ذہبی نے ان کے بارے میں لکھا ہے : " ...... لكنه تعنت في أحوال رجال فما أنصفهم . انھوں نے کچھ لوگوں کے احوال میں عیب جوئی کی ہے لہذا ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا ہے .

علامہ ذہبی رحمہ اللہ ہشام بن عروہؒ کے متعلق اس اتہام کا جواب دیتے ہوئے اپنی دوسری کتاب میں فرماتے ہیں :

" قلت الرجل حجة مطلقا ، ولا عبرة بما قاله الحافظ أبو الحسن بن القطان من أنه هو وسهيل بن صالح اختلطا وتغيرا .... ".

میں کہتا ہوں یہ شخص (یعنی ہشام رحمہ اللہ) مطلق طور پر حجت ہے، اور حافظ ابوالحسن بن القطان کی اس

بات کا کوئی اعتبار نہیں ہے کہ یہ اور سہیل بن صالح ذہنی اختلاط اور تغیر کا شکار ہو گئے تھے ۔ کیونکہ حافظ کی عمر جب زیادہ ہو جاتی ہے تو اس کے حافظے پر فرق پڑتا ہے، اور اس کے ذہن کی تیزی کم ہو جاتی ہے چنانچہ وہ اپنے بڑھاپے میں اس طرح نہیں رہ جاتا جس طرح اپنی جوانی میں ہوتا ہے۔ اور یہاں کوئی بھی شخص سہو ونسیان سے محفوظ نہیں ہے، اور یہ تبدیلی قطعی نقصان دہ نہیں ہے، نقصان دہ تو ذہنی اختلاط ہے اور ہشام کبھی بھی ذہنی اختلاط کا شکار نہیں ہوئے، یہ بات قطعی ہے، اور ان کی حدیث کو موطا اور صحاح اور سنن میں بطور حجت کے بیان کیا گیا ہے۔ لہذا ابن القطان کا یہ کہنا کہ وہ ذہنی اختلاط کا شکار ہو گئے تھے قول مردود اور بکواس ہے۔ بڑے ائمہ میں سے کوئی ایک امام مجھے دکھاؤ جو خطا اور وہم سے بچ سکا ہو۔ یہ شعبہ ہیں جو بلندی کی انتہا پر پہنچے ہوئے ہیں ان کے یہاں بھی اوہام پائے جاتے ہیں اسی طرح معمر، اوزاعی، مالک رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں بھی یہ چیزیں موجود ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء ج ٦ ص ٣٥ ، ٣٦) ۔

تہذیب التہذیب میں ہے قال ابو الحسن بن القطان : " تغير قبل موته ولم نر له في ذلك سلفا " ابو الحسن بن القطان نے کہا کہ موت سے پہلے ان کے اندر تغیر پیدا ہو گیا تھا حالانکہ اس قول میں میں نے ان کا کوئی پیش رو نہیں دیکھا ۔ (بحوالہ التنکیل ج ۱ ص ۵۰۲) ۔

مذکورہ بالا نقول سے یہ بات واضح ہوئی کہ ہشام بن عروہ کی ذہنی حالت پر چہ میگوئیاں محض بعض لوگوں کے اپنے وہم اور بدگمانی کا نتیجہ ہیں اور علامہ ذہبی اور ابن حجر رحمہما اللہ کے مطابق جو اس فن کے مسلم امام ہیں وہ کیفیت ان کے اندر کبھی نہیں پیدا ہوئی جس کی بنیاد پر ان کے ضبط واتقان میں شبہ کیا جائے۔ اور اسے بنیاد بنا کر جو آج کے بے ضابطہ محققین ان کی روایتوں کو مشکوک قرار دینا چاہتے ہیں تو ان کی مثال ایسی ہی ہے کہ :

كناطح صخرة يوما ليوهنها ☆ فلم يضرها وأوهى قرنه الوعل

پہاڑی بکرے نے چٹان کو کمزور کرنے کی خاطر ایک دن اس پر سینگ مارنی شروع کی۔ چٹان کو تو کچھ نقصان نہیں پہنچا البتہ وہ اپنی سینگ ضرور توڑ بیٹھا۔ رہی بڑھاپے میں ذہنی قوت کی تبدیلی یا کبھی کبھی کسی

بھول چوک کا واقع ہو جانا تو جیسا کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا اس سے تو کوئی بڑے سے بڑا امام بھی نہیں بچ سکا اور یہ چیز انسانی طاقت سے باہر ہے ﴿ **ولا يكلف الله نفسا إلا وسعها** ﴾ اللہ تعالی طاقت سے زیادہ کا مطالبہ بھی نہیں کرتا اور اس طرح کی مشترک اور عام کمزوری کو جرح کا اصول وضابطہ کوئی بھی عقل مند اور ذی شعور نہیں بنا سکتا.

اس تفصیل کے بعد پیر زادہ صاحب کی تحقیق کا بھی جائزہ لے لیا جائے . یہ بزرگ اگرچہ اپنے آپ کو پانچوں سواروں میں گنانے کی کوشش کرتے ہیں مگر ہیں نرے مقلد انھیں امین احسن صاحب اصلاحی، مولانا مودودی، سید قطب اور انھیں کی طرح کے دوچار لفظی جادوگروں کے سوا اور کوئی نظر نہیں آتا ان کی کل کائنات یہی ہیں . انھیں یہ پتہ نہیں ہے کہ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں . کاش کوئی انھیں بتا سکتا کہ

نہ شاخ گل ہی اونچی تھی نہ دیوار چمن بلبل
تیری ہمت کی کوتاہی تیری قسمت کی پستی ہے

ہشام بن عروہؓ کی بے احتیاطی کا افسانہ اور اس کی حقیقت

افسانہ تو آپ پڑھ چکے حقیقت علامہ یمانی کی زبانی سنیئے : " **بقي ما قيل إن هشاما كان يدلس ، قال يعقوب بن سفيان** .... ".

رہی یہ بات کہ ہشام تدلیس کیا کرتے تھے، تو یعقوب بن سفیان نے فرمایا : وہ ثقہ ہیں ثبت ہیں ان پر کسی چیز کا انکار اس وقت تک نہیں کیا گیا جب تک کہ وہ عراق نہیں گئے کیونکہ وہ اپنے والد سے روایت کرنے میں کچھ دراز ہو گئے تھے لہذا ان کے شہر والوں نے اس بات پر ان کی نکیر کی اور ہماری رائے یہ ہے کہ وہ اہل عراق کے لئے سہل انگار ہو گئے تھے پر وہ اپنے والد سے وہی بیان کرتے تھے جو ان سے سنا تھا تو گویا ان کی سہل پسندی یہ تھی کہ اپنے والد سے ان روایات کو مرسل بیان فرمایا کرتے تھے جو انھوں نے اپنے والد کے علاوہ کسی اور سے سنی ہوتی تھی جنھیں وہ لوگ ان کے والد کے واسطے سے بیان کیا کرتے تھے اور ابن خراش سے وہ چیز منقول ہے جس سے یہی معنی سمجھ میں آتا ہے اور ان کی بات سے اس سے

بھی کچھ زیادہ سمجھا جاسکتا ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے لہذا ابن خراش کی وہ بات قابل قبول نہیں ہے اور ابن حجر نے ان کا شمار مدلسین کے پہلے طبقے میں کیا ہے، اور یہ ان لوگوں کا طبقہ ہے جنھیں تدلیس سے نادر طور پر ہی موصوف کیا گیا ہے.

اور تحقیق یہی ہے کہ انھوں نے تدلیس (یعنی وہ بے احتیاطی جس کا رونا پیر زادہ صاحب رو رہے ہیں) کبھی نہیں کی. لیکن وہ کبھی کبھی حدیث کو عن فلاں عن أبیہ فلاں کے واسطے سے اپنے والد سے روایت کرتے تھے تو لوگ ان سے اسے سنا کرتے تھے اور اسے جانتے تھے پھر کبھی اس روایت کو قال أبی کے الفاظ یعنی میرے والد نے فرمایا یا اسی طرح کے الفاظ سے اس اعتماد پر روایت کر دیا کرتے تھے کہ پہلے وہ اس بات کو بیان کر چکے ہیں کہ یہ روایت وہ اپنے والد سے فلاں کے واسطے سے کرتے ہیں. تو بعض لوگ اس دوسری روایت کو غنیمت سمجھتے تھے چنانچہ اس روایت کو ان کے والد سے انھیں کے واسطے سے روایت کر دیا کرتے تھے کیونکہ اس میں علو اسناد کی صورت پائی جاتی تھی. اور اس سلسلے میں ان کا اعتماد اس بات پر ہوتا تھا کہ لوگ ان کی پہلی روایت کو سن کر یاد کر چکے ہیں. اور صحیح مسلم میں وہ دلیل موجود ہے جو اس بات کی صراحت کرتی ہے کہ ہشام مدلس نہیں تھے، اس میں ہے کہ غیر مدلس کبھی کبھی ارسال کرتا ہے اور اس کی چند مثالیں بیان کی ہیں، انھیں میں سے ایک حدیث ہے جسے ایک جماعت نے ہشام سے روایت کیا ہے "أخبرنی أخی عثمان بن عروۃ عن عروۃ" مجھے خبر دی میرے بھائی عثمان بن عروہ نے عروہ سے. اور دوسرے لوگوں نے اسے بواسطہ ہشام عن أبیہ روایت کیا ہے یعنی ہشام نے اپنے والد سے روایت کی. اس کے باوجود ہشام کو اس طرح کے اتفاقات نادرا ہی پیش آئے ہیں. اور اتفاق اسی صورت میں پیش آیا ہے جب ان کے درمیان اور ان کے والد کے درمیان کوئی ایسا ثقہ آدمی ہو جس کے بارے میں کسی طرح کا شک نہ ہو جیسے ان کے بھائی عثمان اور محمد بن عبد الرحمٰن بن نوفل یتیم عروہ.

واللہ الموفق. (التنکیل بمافی تانیب الکوثری من الأباطیل ج ۱ ص ۵۰۴).

مذکورہ بالا بیان سے اس بے احتیاطی کی قلعی کھل جاتی ہے جس کا غم ہمارے پیر زادہ صاحب کو کھائے جا رہا ہے. اور میرا خیال ہے کہ اس سلسلے میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے اگر ہمارے محققین نے اس سلسلے میں کوئی نیا شوشہ چھوڑا تو دیکھا جائے گا.

۹- ہشام کے مشہور شاگردوں میں سے امام مالک یہ روایت نقل نہیں کرتے بلکہ کوئی بھی اہل مدینہ یہ روایت نقل نہیں کرتا. ہشام سے جتنے بھی راوی ہیں سب عراقی ہیں اور اتفاق سے عراق پہنچنے کے چند روز بعد ہشام کا دماغ سٹھیا گیا تھا. (مذہبی داستانیں) .

☆یہ عجیب و غریب اصول تراشی تو آپ ہی کا طرۂ امتیاز ہے کہ ہشام کی روایت کے معتبر ہونے کے لئے مالک کا ان سے روایت کرنا ضروری ٹھہرے ورنہ ان کی روایت مقبول ہی نہ ہو.

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند .

یہ شرط تو آج تک کسی محقق نے نہیں بیان کی. اور اگر کسی نے بیان کر دی ہوتی تو پھر آپ کی خصوصیت ہی کیا رہ جاتی ؟ آخر کچھ تو ہو جس سے اتنے بھاری بھر کم اور شہر بھر کے جو القاب اپنی شخصیت کے ساتھ جوڑ رکھے ہیں اس کا بھرم رہ جائے ورنہ لوگ کیا کہیں گے کہ اتنے بڑے نقاد، مورخ، امام کوئی ایک بھی نئی بات نہ پیش کر سکے ؟ **خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھئے .**

یہ بھی خوب رہی کہ ان کا کوئی مدنی شاگرد اس روایت کو بیان نہیں کرتا جب کہ انس بن عیاض بن ضمرہ جن کی روایت بخاری نے کتاب الدعوات میں بیان کی ہے وہ نہ صرف یہ کہ مدنی ہیں بلکہ محدث مدینہ ہیں اور بقول ذہبی ان کے شہر میں علو اسناد انھیں پر ختم ہے. (تذکرۃ الحفاظ) .

اگر محقق و نقاد کہلانے کا اس قدر شوق دامن گیر تھا تو کچھ تو داد تحقیق دی ہوتی تھوڑا بہت تو اس کا حق ادا کر دیا ہوتا. صرف اعتراض کر کے محقق تو کوئی بھی بن سکتا ہے.

الدعاوی ما لم تقیموا علیها بینات ابناؤها أدعیاء !.

بار بار دماغ سٹھیا گیا تھا جیسے گستاخانہ الفاظ اتنے بڑے امام کے حق میں بے جا طور پر جیسا کہ اس کا بیجا ہونا پچھلے صفحات میں ثابت کیا جا چکا ہے استعمال کرنا یہ ذہنی پستی ، اخلاقی گراوٹ اور اسلامی اقدار سے دوری کی واضح دلیل ہے. یہ اہل تحقیق کی نہیں بازاری اور گھٹیا لوگوں کی زبان ہے.

اللہ تعالی آپ لوگوں کی اصلاح فرمائے .

۱۰- سلسلہ روایت میں ایک راوی سفیان بن عیینہ ہیں جو یہ اقرار کرتے ہیں کہ میں نے اسے ابن جریج سے پہلی مرتبہ سنا. اس پر مولانا امین احسن صاحب کی یہ گرفت بالکل بجا ہے کہ

" گویا اس واقعہ نے نبی ﷺ کے وصال کے سو سال بعد شہرت پائی اس سے پہلے اس کا علم صرف بعض افراد تک محدود رہا . ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ العیاذ باللہ اگر حضور ﷺ چھ ماہ تک مسحور رہے ہوتے تو یہ واقعہ اتنا غیر معمولی تھا کہ صدر اول ہی میں اس کا چرچا ہو جاتا اور یہ روایت ایک متواتر روایت کی حیثیت سے ہم تک پہنچتی . .(دعوۃ القرآن) .

☆ نمبر چار کے تحت اس کا جواب آچکا ہے . یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ سفیان بن عیینہ کے بیان سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ یہ چیز عروہ کے پورے گھرانے میں معروف تھی . اکیلے ہشام ہی کو یہ بات نہیں معلوم تھی مگر اس کے باوجود اس گھر کے کسی اور فرد سے نامزد طور پر یہ روایت حدیث کے دفاتر میں موجود نہیں ہے . اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایک بات کسی گھرانے میں یا کسی شہر میں یا کسی ملک میں مشہور ہوتی ہے مگر ہر فرد یا کثرت سے لوگ اسے بیان نہیں کرتے یا اگر کرتے بھی ہیں تو کتابوں میں کسی وجہ سے اس کا تذکرہ نہیں ہو پاتا ہے . اور ذکر کا نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہو تا کہ یہ واقعہ ہوا ہی نہیں ہے . اس مختصر سی تفصیل میں ذی شعور حضرات کے لئے غور و فکر کی راہ موجود ہے .
واللہ الہادی الی سواء السبیل .

مگر پیرزادہ صاحب جیسے لوگوں کے لئے چونکہ امین احسن اصلاحی صاحب کے شبہات سے بڑھ کر مستحکم دلیل کوئی نہیں ہو سکتی لہٰذا یہ حضرات اس کے بارے میں سوچنے کی زحمت کیسے گوارا کر سکتے ہیں؟ میں نے پہلے ہی عرض کیا ہے کہ یہ اپنی کائنات سے باہر نہیں آسکتے ہیں .

۱۱- خبر احاد کو عقیدہ کے مسئلہ میں قبول نہیں کیا جا سکتا . اس کے لئے قرآن ہی مرجع ہے اور اصول اعتقاد کے معاملہ میں احادیث کو قبول کرنے کے لئے تواتر شرط ہے جبکہ یہ روایتیں متواتر نہیں ہیں .
(منقول از فی ظلال القرآن مولفہ سید قطب- دعوۃ القرآن) .

☆ اخبار احاد کے سلسلے میں اصول و فروع اور عقائد واحکام کی تفریق بدعت و باطل اور اجماع صحابہ و تابعین اور ائمہ دین کے خلاف ہے . یہ معتزلہ وخوارج اور جہمیہ وروافض جیسے اہل بدعت اور ان کے پیروکاروں کا مذہب ہے . اور اہل صحاح و سنن کا اس روایت کی تخریج کرنا اور اس کی تصحیح کرنا اور امت کا تلقی بالقبول اس بات کی بین دلیل ہے کہ ان کے یہاں اس طرح کی تفریق روا نہیں رکھی جاتی . رہے سید قطب - عفا اللہ عنہ - تو بہت سے مسائل میں ان کا انحراف اور عقلانی رجحان اہل علم کے نزدیک معروف ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ علوم قرآن وسنت سے ان کا رابطہ علمائے کتاب وسنت کے واسطے کے بجائے مغربی مولفین کے واسطے سے زیادہ رہا ہے . اور بہت سے علماء نے ان کی تردید میں مستقل کتابیں لکھی ہیں جن میں دکتور ربیع بن ہادی المدخلی اور شیخ عبداللہ بن محمد الدویش وغیرہ سر فہرست ہیں . اگر اس موضوع پر تفصیل مطلوب ہو تو علامہ ابن قیمؒ کی مختصر الصواعق المرسلۃ ملاحظہ فرمائیں .

۱۲- ہمارے نزدیک یہ روایت مضطرب ہے . کیونکہ اس روایت میں زبردست اختلاف ہے . ایک راوی ہشام سے نقل کرتا ہے کہ کنگھی وغیرہ نکالی گئی . اور دوسرا نقل کرتا ہے کہ ام المومنین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ نے اسے کیوں نہیں نکالا ؟ یعنی وہ کیوں نکالی نہیں گئی . ایک راوی ام المومنین کا یہ قول نقل کرتا ہے کہ لبید کو بدنام کیوں نہیں کیا ؟ یعنی اس روایت میں سوال کی نوعیت بدلی ہوئی ہے . ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اچانک خواب بیان کیا . اور دوسری روایت میں ہے کہ رات میں آپ نے خوب دعا کی تو یہ خواب دیکھا . ایک روایت میں ہے کہ آپ کو مغالطہ ہر کام میں ہوتا تھا . اور یہ سب متضاد امور ہشام سے مروی ہیں . ہمارے نزدیک اس کا دماغ سٹھیانے کے لئے اتنے ہی ثبوت کافی ہیں .

(مذہبی داستانیں) .

☆ مذکورہ بالا بچکانہ اور اوٹ پٹانگ باتیں ہمارے نزدیک اس بات کا کافی ثبوت ہیں کہ آپ سٹھیانے کے مرحلے سے بھی دو چار ہاتھ آگے جا چکے ہیں . حیرت ہوتی ہے کہ اس طرح کے لوگ قلم کیوں اٹھا لیتے ہیں انھیں تو سبزی فروش کی دکان پر ہانکا لگانے کا کام کرنا چاہئے تھا . اگر علم کی دنیا میں گھس پیٹ کرنا اتنا ہی ضروری تھا تو کسی اور فن پر نظر کرم کیوں نہ فرمائی ؟ علوم نبوت ہی کو بالخصوص نشانہ کیوں

بتلایا؟ اگر کہیں اور پر اجا کر بیٹھ گئے ہوتے تو اس قدر عاقبت برباد ہونے کا شاید خدشہ نہ ہوتا.
اضطراب اور مضطرب محدثین کی ایک مخصوص اصطلاح ہے اور اس کا اطلاق اسی وقت ہوتا ہے جب کہ جمع و تطبیق کی کوئی صورت باقی نہ رہ جائے. اور یہاں تو اس طرح کی کوئی بات پائی ہی نہیں جاتی جبکہ کچھ اختلافات تو واضح طور پر آپ کے خود ساختہ ہیں اور جو اختلافات واقعی نظر آتے ہیں ان سے نفس واقعہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ دراصل یہ اختلاف نہیں ہیں بلکہ محدثین کی مشہور روش کے مطابق بیان میں اجمال و تفصیل کا فرق ہیں. دوسری بات یہ ہے کہ کسی واقعہ کی جزئی تفصیلات میں اختلاف واقع ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ واقعہ سرے سے غلط ہے. مثلاً کسی راوی کے بارے میں اختلاف ہو کہ وہ کب پیدا ہوا ہے. کوئی کہے کہ یہ ۲۰۰ھ میں پیدا ہوا ہے. دوسرا کہے کہ نہیں یہ تو ۱۹۵ھ میں پیدا ہوا ہے اور تیسرا کہے کہ نہیں یہ ۲۰۵ھ میں پیدا ہوا . اب آپ کی طرح کا کوئی عقل مند آئے اور یہ کہہ دے کہ صاحب اس شخص کے بارے میں روایات میں اضطراب ہے لہذا حقیقت یہ ہے کہ یہ شخص پیدا ہی نہیں ہوا . تو آپ ہی فرمائیں کہ اس کی اس بات میں کتنی معقولیت تسلیم کی جائے ؟.
یہ ہے ان محققین بے بدل کی بے مثال و بے نظیر تحقیقات کا نمونہ. وقیاس کن ز گلستان من بہار مرا .

۱۳- ایک سال کی مدت بہت طویل ہوتی ہے. اور نبی کریم ﷺ کے پاس اس وقت نو ازواج تھیں. اس کی کیا وجہ ہے کہ بقیہ ازواج سے اس سلسلے میں کوئی روایت مروی نہیں. کیا دیگر ازواج کے یہاں جاکر جادو کا اثر ختم ہو جاتا تھا؟ کیا ایک سال تک آپ نے حضرت عائشہ کے علاوہ کسی کے پاس وقت نہیں گزارا. (مذہبی داستانیں) .

☆(أ) مشہور قاعدہ ہے کہ عدم ذکر عدم شیٔ کو مستلزم نہیں ہوتا.
(ب) بہت سی ایسی باتیں ہیں جو حضرت عائشہ اور دیگر ازواج مطہرات کے درمیان مشترک ہیں مگر اس کا بیان حضرت عائشہ یا دو ایک ازواج کے سوا کوئی نہیں کرتا تو کیا کوئی آدمی جو اپنی عقل کو محترم سمجھتا ہو یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ بات چونکہ دیگر ازواج سے مروی نہیں ہے لہذا غلط ہے.

(ج) اگر یہ واقعہ صرف حضرت عائشہ کے سلسلے میں پیش آیا ہو تب بھی اس میں کوئی تعجب نہیں ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کے یہاں ان کا جو مقام تھا اور جو تعلق خاطر آپ کو ان سے تھا وہ محتاج بیان نہیں ہے اور دشمن ہمیشہ وہیں ضرب لگانے کی کوشش کرتا ہے جہاں احساس شدید ہو اور وار کاری ہو. حضرت عائشہ کی حیثیت کے تعین کے لئے بطور تذکیر صرف ایک حدیث آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں. نبی ﷺ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

" يا أم سلمة لا تؤذيني في عائشة ؛ فإنه والله ما نزل علي الوحي وأنا في لحاف امرأة منكن غيرها ". (صحیح الجامع ۲/۱۲۹۶).

اے ام سلمہ مجھے عائشہ کے بارے میں اذیت نہ پہنچاؤ کیونکہ اللہ کی قسم مجھ پر سوائے ان کے تم میں سے کسی کے لحاف میں ہونے کی حالت میں وحی نازل نہیں ہوئی.

۱۴- کیا ایک سال تک نبی کریم ﷺ گھر ہی میں مقیم رہے. جبکہ کوئی صحابی اس واقعہ کو نقل نہیں کرتا. کیا یہ بھول اور مغالطہ دوسرے لوگوں کے سامنے نہیں ہوتا تھا. (مذہبی داستانیں).

☆ یہ آپ کی امامت کے لئے بہت بڑا بٹہ ہے کہ دوسری صحیح روایت کا آپ کو پتہ ہی نہیں ہے جو حضرت عائشہ کے علاوہ کسی اور سے مروی ہے یا پھر آپ تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے اپنے قارئین کو دھوکے میں رکھنا چاہتے ہیں. وأحلاهما مر.

نبی ﷺ پر سحر سے متعلق حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث

جسے طبرانی، حاکم، نسائی، ابن ابی شیبہ، احمد اور عبد بن حمید وغیرہ نے روایت کیا ہے. اس کے دو طرق ہیں اور دونوں صحیح ہیں. محدث عصر علامہ البانی حفظہ اللہ نے اس روایت پر بڑی تفصیلی بحث فرمائی ہے جس کے ذکر کا یہ موقعہ نہیں ہے جسے دیکھنا ہو ان کی کتاب (الأحاديث الصحيحة ج٦ ق١ ص ٦١٥ تا ٦١٩)

میں بلاحظہ کر سکتا ہے. حدیث کی عبارت اور اس کا ترجمہ پیش خدمت ہے .

" (كان رجل[من اليهود] يدخل على النبى ﷺ ، [وكان يأمنه] ، فعقد له عقدا ، فوضعه في بئر رجل من الأنصار ، [فاشتكى لذلك أياما ، (وفي حديث عائشة ستة أشهر)] ، فأتاه ملكان يعودانه ، فقعد أحدهما عند رأسه ، والآخر عند رجليه ، فقال أحدهما : أتدرى ما وجعه ؟ قال : فلان الذى [كان] يدخل عليه عقد له عقدا ، فألقاه في بئر فلان الأنصارى ، فلو أرسل إليه رجلا ، وأخذ منه [منه] العقد لوجد الماء قد اصفر . [فأتاه جبريل فنزل عليه ب (المعوذتين) ، وقال : إنّ رجلا من اليهود سحرك ، والسحر في بئر فلان ، قال :] فبعث رجلا (وفي طريق أخرى : فبعث عليا رضی الله عنه) [فوجد الماء قد اصفر] فأخذ العقد [فجاء بها] ، [فأمره أن يحل العقد ويقرأ آية] ، فحلها ، [فجعل يقرأ ويحل] ، [فجعل كلما حل عقدة وجد لذلك خفة] فبرأ ، (وفي الطريق الأخرى : فقام رسول الله ﷺ كأنما نشط من عقال) ، وكان الرجل بعد ذلك يدخل على النبى ﷺ فلم يذكر له شيئا منه ، ولم يعاتبه [قط حتى مات]) .

ایک یہودی نبی ﷺ کے پاس آتا تھا اور آپ اس سے مطمئن تھے اس نے آپ کے لئے ایک رسی میں گرہ ڈالی اور اسے ایک انصاری آدمی کے کنویں میں رکھ دیا چنانچہ آپ اس کی وجہ سے کچھ دنوں تک بیمار رہے، اور عائشہ کی حدیث میں ہے چھ ماہ . تب آپ کے پاس دو فرشتے عیادت کے لئے آئے، ان میں سے ایک آپ کے سر کے پاس بیٹھ گیا اور دوسرا آپ کے پیروں کے پاس، ان میں سے ایک نے کہا تمہیں معلوم ہے ان کی بیماری کیا ہے ؟ دوسرے نے جواب دیا فلاں جوان کے پاس آتا تھا اس نے ان کے لئے رسی میں گرہ لگائی ہے اور اسے فلاں انصاری کے کنویں میں ڈال دیا ہے، لہذا اگر یہ اس کنویں کی جانب کسی آدمی کو بھیجیں اور وہ شخص اس سے رسی کو نکال لے تو وہ پانی کو پائے گا کہ زرد ہو گیا ہے. پھر جبریل ان کے پاس آئے اور معوذتین لے کر نازل ہوئے او فرمایا : یہودیوں میں سے ایک آدمی نے آپ پر جادو کر دیا ہے، اور جادو فلاں کنویں میں ہے؛ فرماتے ہیں : چنانچہ آپ نے ایک آدمی کو بھیجا اور

دوسرے طریق میں ہے : حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو انھوں نے دیکھا کہ پانی زرد ہو گیا ہے پھر انھوں نے رسی نکال لی اور اسے لے آئے، تب آپ نے انھیں حکم دیا کہ گرہ کھولیں اور ایک آیت پڑھیں، لہذا انھوں نے گرہ کھولی، پھر وہ پڑھنے لگے اور کھولنے لگے . جیسے جیسے وہ کوئی گرہ کھولتے آپ اس کی وجہ سے تخفیف محسوس فرماتے تھے پھر آپ اچھے ہو گئے، اور دوسرے طریق میں ہے : تب رسول اللہ ﷺ ایسے اٹھے گویا آپ کو بندھن سے آزاد کر دیا گیا ہو، اور وہ شخص اس کے بعد نبی ﷺ کے پاس آتا تھا مگر آپ نے اس سے نہ تو کچھ ذکر فرمایا نہ کبھی کوئی سرزنش کی یہاں تک کہ آپ کی وفات ہو گئی .

علامہ البانی حفظہ اللہ و اکرمہ اس حدیث پر بحث کے آخر میں فرماتے ہیں :

" ومن المفيد أن نذكر أن بعض المبتدعة قديما وحديثا قد أنكرو هذا الحديث الصحيح ، بشبهات هي أوهى من بيت العنكبوت ، وقد رد عليهم العلماء في شروحهم ، فليرجع إليها من شاء ".

یہاں اس بات کا ذکر کرنا مفید ہو گا کہ پرانے اور نئے دور میں کچھ بدعتیوں نے مکڑی کے جالے سے زیادہ کمزور شبہات کی بنیاد پر اس حدیث کا انکار کیا ہے، اور علماء نے اپنی شروحات میں ان کی تردید فرمائی ہے، جو چاہتا ہو ان کی طرف رجوع کرے .

ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ محقق صاحب نے بھول اور مطلق مغالطہ کے الفاظ دہرائے ہیں جس سے تعمیم ظاہر ہوتی ہے اور اس عبارت میں جس قدر مغالطہ ہے وہ گزشتہ معروضات سے واضح ہے.

بخاری کی دوسری حدیث جو پیر زادہ کی عقل پر گراں ہے

فرماتے ہیں : " اس کی دوسری مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین جھوٹ بولنے کی حدیث ہے جس کو بخاری نے روایت کیا ہے ۔ (بخاری کتاب احادیث الانبیاء) جبکہ قرآن ان کے بارے میں کہتا ہے :

إنه كان صديقا نبيا (مريم – ٤١) "ابراہیم یقیناً سچا تھا اور نبی تھا " .

جھوٹ کو ابراہیم علیہ السلام کی کی طرف منسوب کرنے سے ان کی شخصیت مجروح ہوتی ہے اس لئے ایسی روایت کو ہرگز قبول نہیں کیا جاسکتا. (ص :۲۲) .

پتہ نہیں آپ کو لفظ کذب پر اعتراض ہے یا اس لفظ کے بعض معانی کے اعتبار سے اس کے مدلول کے ارتکاب پر اعتراض ہے. اگر آپ کا اعتراض پہلی شق پر ہے تو لفظ کا اطلاق تو نبی ﷺ سے صحیح طور پر ثابت ہے اور آپ حضرات کی تشکیک اس پر قطعی اثر انداز نہیں ہو سکتی ہے. اس لئے کہ حدیث اصولی اعتبار سے صحیح ثابت ہو کر یقینیات کی قسم میں داخل ہو چکی ہے. اور یہ یقین آپ کے یا رازی یا مولانا مودودی کے لغو وباطل اور بے بنیاد احتمال کی بنیاد پر متزلزل نہیں ہو سکتا ہے.

اور اگر آپ کا اعتراض دوسری شق سے متعلق ہے تو ابراہیم علیہ السلام کا یہ عمل تو خود قرآن سے ثابت ہے. قبل اس کے کہ قرآنی دلیل آپ کی خدمت میں پیش کی جائے لفظ کذب کا لغوی اعتبار سے وہ معنی پیش کیا جا رہا ہے جو ہماری اس بحث کے مناسب حال ہے.

لسان العرب جو لغت کی مشہور اور معتمد کتاب ہے اس میں لکھا ہے : **وفي الحديث لا يصلح الكذب إلا في ثلاث ، قيل أراد به معاريض الكلام الذى هو كذب من حيث يظن السامع ، وصدق من حيث يقوله القائل ، كقوله : إن في المعاريض لمندوحة عن الكذب .... (لسان العرب لابن منظور ج ١ ص ٧٠٩).**

حدیث میں آیا ہے کہ کذب نہیں جائز ہے مگر تین چیزوں میں، کہا گیا کہ اس سے مراد تعریضی کلام ہے،

جو سننے والے کی سمجھ کے اعتبار سے کذب ہے اور کہنے والے کے قول کے اعتبار سے صدق جیسا کہ ان کے اس قول میں ہے کہ معاریض میں کذب سے بچنے کی گنجائش ہے.

اس سے ثابت ہوا کہ ایسی بات کہنا جو حقیقت میں تو سچی ہے مگر ایسے انداز میں کہی جائے یا ایسے موقع پر کہی جائے کہ سننے والا اس سے وہ مفہوم نہیں لیتا جو قائل کی مراد ہے تو ایسی بات پر کذب کا اطلاق کرنا لغوی اعتبار سے صحیح ہے. حاصل یہ کہ معاریض پر کذب کا اطلاق صحیح ہے .

قرآنی دلیل

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے یہ واقعہ بیان فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے سارے بتوں کو توڑ ڈالا، صرف بڑے بت کو باقی چھوڑ دیا اور جب ان کی قوم نے ان سے اس کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے فرمایا کہ انھیں بڑے بت نے توڑا ہے. قرآن نے اس واقعے کو یوں بیان کیا ہے.

﴿ وتالله لأكيدن أصنامكم بعد أن تولوا مدبرين ه فجعلهم جذاذا إلا كبيرا لهم لعلهم إليه يرجعون ه قالوا من فعل هذا بآلهتنآ إنه لمن الظالمين ه قالوا سمعنا فتى يقال له ابراهيم ه قالوا فأتوا به على أعين الناس لعلهم يشهدون ه قالو آ ء أنت فعلت هذا بالهتنا يا إبراهيم ه قال بل فعله كبيرهم هذا فسئلوهم إن كانو ينطقون ه ﴾ [سورة الأنبياء : ٥٧] .

اور اللہ کی قسم میں تمہارے ان معبودوں کا علاج تمہاری غیر موجودگی میں ضرور کروں گا. پس اس نے ان سب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے ہاں صرف بڑے بت کو چھوڑ دیا یہ بھی اس لئے کہ وہ سب اس کی طرف ہی لوٹیں. کہنے لگے کہ ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کس نے کیا؟ ایسا شخص تو یقیناً ظالموں میں سے ہے. بولے ایک نوجوان کو ہم نے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا تھا جسے ابراہیم کہا جاتا ہے. سب نے کہا اچھا اسے مجمع میں لوگوں کی نگاہوں کے سامنے لاؤ تا کہ سب دیکھیں. کہنے لگے : اے ابراہیم ! کیا تو نے ہی ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے. آپ نے جواب دیا بلکہ اس کام کو ان کے بڑے نے

کیا ہے تم اپنے خداؤں ہی سے پوچھ لو اگر یہ بولتے چالتے ہوں ۔

مذکورہ بالا آیات میں ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کے توڑنے کو بڑے بت کی جانب منسوب کیا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ ان کے اغراض و مقاصد کیا تھے اور ان کا انداز کیا تھا یہاں انھوں نے اپنے فعل کو دوسرے کی جانب منسوب کیا ہے۔ یہ بات مسلم ہے اور کسی طرح اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اب ہمارا سوال یہ ہے کہ کوئی آدمی اگر اپنے فعل کو دوسرے کی جانب منسوب کرے تو اس کے اس عمل کو کیا کہا جاتا ہے؟ کیا اس عمل پر جھوٹ کا اطلاق لغوی اور عقلی طور پر غلط ہو سکتا ہے ؟

خود پیرزادہ صاحب فرماتے ہیں : بتوں کے بے حقیقت ہونے ہی کو محسوس کرانے کی غرض سے ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کے توڑنے کا اقدام کیا تھا اور اسی مقصد کے پیش نظر انھوں نے اس کاروائی کی نسبت بڑے بت کی طرف کردی تھی۔ (دعوۃ القرآن ج ۲ ص : ۱۱۱۵) .

ہم کہتے ہیں توڑنے کا اقدام خود کیا اور نسبت دوسرے کی طرف کر دی، تو مقصد خواہ کتنا ہی نیک اور عظیم ہو اسی عمل کو لغت میں جھوٹ کہا جاتا ہے۔ اب آپ اس عمل کی تفسیر و تاویل کچھ بھی کریں اور شان نبوت اور اس عمل کی حقیقت کے پیش نظر آپ اسے تعریض سے تعبیر کریں یا طنز کہیں یا جو کچھ بھی آپ مناسب سمجھیں ؛ مگر ظاہری حیثیت سے اسے کذب ہی کہا جائے گا ۔ کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کا یہ نسبت کرنا خلاف واقعہ ہے۔ اور ایسے موقعوں پر جن کا ذکر کذبات ثلاثہ (تین جھوٹ) والی حدیث میں کیا گیا ہے اس طرح کا اقدام کرنا جیسا اقدام ابراہیم علیہ السلام نے کیا ہے نہ تو نبوت میں قادح ہے نہ ہی شرعی اعتبار سے معیوب ہے۔ اور یہ چیز مستبعد نہیں ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس کی اجازت دی ہو جس طرح اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے بھائی کو اپنے پاس روک لینے کی تدبیر سمجھائی کہ انھوں نے پیالہ خود اپنے بھائی کے سامان میں رکھ دیا اور اپنے آدمی سے منادی کرائی کہ اے قافلے والو ! تم لوگ چور ہو حالانکہ انھوں نے چوری نہیں کی تھی ۔ یہ واقعہ سورۂ یوسف میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ ایسا ہوتا ہے کہ عام حالات کے اعتبار سے کوئی

چیز قبیح ہوتی ہے مگر موقعہ کی مناسبت سے وہ چیز مستحسن اور مرغوب ہو جاتی ہے۔ لہذا یہی صورت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بھی تھی اور ان کے اس عمل سے ان کی صدیقیت (سچائی) پر کوئی آنچ نہیں آتی۔ جو شخص اسلامی تعلیمات اور اسلامی تاریخ سے اچھی طرح آگاہ ہے اس کے لئے یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ اور تابعین سے لے کر تقریبا چھ سو سال تک اس حدیث کے قبول کرنے میں کسی ایک کو بھی تامل نہیں ہوا حتی کہ اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے عقلی برتری کا دعوی کرنے والے معتزلہ نے بھی جنھوں نے عقل اور قرآنی تصریحات سے ٹکرانے کا سہارا لے کر سیکڑوں حدیثوں کو ٹھکرا دیا تھا اس حدیث پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

اس حدیث پر اعتراض کرنے والے سب سے پہلے شخص فخر الدین محمد بن عمر رازی ہیں جن کی وفات ۶۰۶ھ میں ہوئی۔ یہ بزرگ بھی انھیں لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے دین کو قرآن وسنت اور سلف صالحین کی توجیہات کی روشنی میں سمجھنے کے بجائے اپنی عقل پر اعتماد کیا اور اپنی عقلی برتری کے زعم میں اسلام کی ایسی نمائندگی کی کہ اسلام ہزار مرتبہ چیخ چیخ کر اس سے اپنی براءت کا اظہار کرتا ہے۔ ان کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ اسلام کی وکالت اور ترجمانی کرتے وقت خود اسلامی تعلیمات اور اصول وضوابط پر شدید قسم کے اعتراضات اور شبہات وارد کرتے ہیں اور ان کا کوئی تشفی بخش جواب دئے بغیر اور حل کئے بغیر یوں گزر جاتے ہیں گویا وہ دشمنوں کے ترجمان ہیں۔ اسی لئے بعض مغربی علماء نے ان کے بارے میں یہ کہا کہ "**یورد الشبهة نقدا ويخليها نسيئة**".

شبہات تو نقد دیتے ہیں اور جواب ادھار کر دیتے ہیں۔

(لسان المیزان لابن حجر ٤ / ٤٢٨ بحوالہ زوابع في وجه السنة عربی داں طبقے کے لئے یہ کتاب اس موضوع پر بہت مفید ہے۔).

دوسرے بزرگ جنھوں نے بڑے شد ومد کے ساتھ اس حدیث کے خلاف واویلا کیا ہے اور اسے اپنی عقل پر شدید اور ناقابل برداشت بوجھ محسوس فرمایا ہے وہ ہیں مولانا مودودی صاحب بانی جماعت اسلامی۔ اور ان کا جواب مختلف علماء نے بڑے شرح وبسط کے ساتھ دیا ہے اس سلسلے میں

اردو میں آپ حجیت حدیث مطبوعہ جامعہ سلفیہ بنارس اور عربی میں زوابع في وجه السنة مطبوعہ مرکز ابوالکلام آزاد دہلی ملاحظہ فرما سکتے ہیں.

رہے پیر زادہ صاحب تو میں نے آپ کو پہلے ہی یہ بات بتادی تھی کہ یہ بیچارے محض مقلد ہیں اور خود ان کے اندر اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ کوئی کارنامہ انجام دے سکیں مگر اپنا نام مولفین اور مصنفین کی فہرست میں گنوانے کا شوق انھیں بے چین رکھتا ہے اور اپنے اسی شوق کے ہاتھوں مجبور ہو کر آئے روز کوئی نہ کوئی عجوبہ پیش کرتے رہتے ہیں. اللہ تعالی سے میری دعا ہے کہ وہ انھیں اس مرض سے شفاعطا فرمائے (آمین) .

پیر زادہ کے لئے قابل اعتراض تیسری حدیث

اپٹوڈیٹ محقق صاحب فرماتے ہیں : " اس کی تیسری مثال صحیح مسلم کی وہ روایت ہے جس میں ابو ہریرہ کا یہ بیان نقل کیا گیا ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام کے پاس ملک الموت کو بھیجا گیا تو انھوں نے ملک الموت کو ایک طمانچہ مارا جس سے ملک الموت کی ایک آنکھ پھوٹ گئی اور وہ اپنے رب کی طرف واپس لوٹ گئے . (مسلم کتاب الفضائل) .

سوچئے فرشتہ کا وجود تو مادی نہیں ہے کہ اس کی آنکھ پھوٹ جائے اور یہ ناشائستہ حرکت ایک نبی کیوں کرنے لگے اور ملک الموت روح قبض کئے بغیر کیوں واپس ہونے لگیں جب کہ موت مقررہ وقت سے ایک لمحہ پہلے آسکتی ہے اور نہ ایک لمحہ بعد. معلوم ہوتا ہے یہ قصہ اسرائیلیات میں سے ہے جو کسی طرح ابوہریرہ کی طرف منسوب کر دیا گیا. بہر صورت ایسی لغو روایت کو ہرگز قبول نہیں کیا جاسکتا .

میں کہتا ہوں یہ لغویت روایت کی نہیں بلکہ آپ کے ذہنی و فکری اور علمی دیوالیہ پن کی ہے اور ایمان بالغیب سے رشتہ کمزور اور بودا ہونے کے سبب ہے. کیا اس روایت کے کسی لفظ سے یہ بات سمجھ میں

آتی ہے کہ ملک الموت اپنی اصلی صورت میں حضرت موسی علیہ السلام کے پاس تشریف لائے تھے جو آپ مادی اور غیر مادی کی بحث اٹھاتے ہیں ؟ کیا یہ بات حیرت ناک اور تعجب خیز ہے کہ کوئی فرشتہ کسی نبی کے پاس انسانی شکل وصورت کے ساتھ آئے ؟ خود نبی ﷺ کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام انسانی حلئے میں تشریف لایا کرتے تھے . پھر اس میں تعجب کیا ہے کہ وہ اللہ تعالی کی طرف سے بطور امتحان بشری حلئے میں موسی علیہ السلام کے پاس تشریف لائے ہوں اور انھوں نے آتے ہی ان کی جان لینے کی کوشش کا مظاہرہ کیا ہو . اور جب موسی علیہ السلام کے سامنے ایسی صورت حال پیش آئی کہ ایک اجنبی آدمی بغیر اجازت اچانک ان کے گھر میں داخل ہوتا ہے اور ان پر حملہ آور ہوتا ہے تو پھر انھوں نے بھی اپنے دفاع کی کوشش کی ہو اور ایسا طمانچہ رسید کیا کہ ملک الموت کی بشری صورت کی آنکھ جاتی رہی ہو .

آپ غور کریں کہ اگر اس طرح کی صورت حال میں کوئی شخص اپنے دفاع میں سرگرمی دکھائے تو کیا اس کی اس حرکت کو ناشائستہ حرکت کہا جاسکتا ہے . بالخصوص غصے کی حالت میں تو موسی علیہ السلام نے اس سے پہلے بھی خود قرآن کے بیان کے مطابق اسی طرح کی شدت کا مظاہرہ فرمایا ہے . قبطی کو ایسا مکا رسید کرنا کہ وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے یا قوم کی بدلی ہوئی حالت دیکھ کر تورات کی لکھی ہوئی تختیاں پھینک کر اپنے سگے بھائی کو بلا قصور داڑھی سے پکڑ کر کھینچنے لگنا، ان سب واقعات کو تو خود قرآن نے بیان کیا ہے پھر اس حرکت پر جو انھوں نے موقع کی مناسبت سے ملک الموت کے ساتھ فرمائی تعجب کیا ہے ؟

آپ تو عقلی پہلوان ہیں لہذا ڈر کس بات کا ہے صاف کہہ دیجئے کہ یہ آیات ہماری چٹان جیسی عقل سے ٹکرا رہی ہیں لہذا ان کا قصہ پاک ہو جانا چاہئے . اور اس سلسلے میں ہم ان آیات کو بیان کرنے والے یا قرآن کو جمع کرنے والے کسی کی نہیں رکھیں گے خواہ وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی متعین کردہ جماعت ہو یا عثمان رضی اللہ عنہ کی . خم ٹھونک کر کہہ دیجئے یہ بات . کون آپ کے سامنے آنے کی جرأت کر سکتا ہے ؟ کیونکہ آپ تو عقلی سورما اور اس میدان کے رستم زمانہ ہیں .

بہر کیف جب یہ بات ممکن ہے کہ اللہ تعالی نے ملک الموت کو محض اس لئے بھیجا ہو کہ وہ حضرت موسی علیہ السلام کو ان کی موت کی بارے میں خبر دار کر دیں تو اس میں حیرت کس بات کی ہے کہ آپ کو یہ کہنا

پڑے کہ ملک الموت بغیر روح قبض کئے کیوں واپس جانے لگیں؟ اس حدیث میں کہیں یہ نہیں بتایا گیا کہ موسی علیہ السلام کا وقت مقرر پورا ہو چکا تھا اور آپ کی زندگی کے تمام لمحات پورے ہو چکے تھے اس کے باوجود ملک الموت کو روح قبض کئے بغیر واپس جانا پڑا .

حقیقی مشکل یہ نہیں ہے کہ اس حدیث کی مناسب توجیہ وتاویل نہیں کی جاسکتی یا اس کا مفہوم پیچیدہ اور بعید از فہم ہے بلکہ بات دراصل یہ ہے کہ پیر زادہ صاحب کے ایک پیر نے بھی اس حدیث میں کیڑے نکالے ہیں اور ان سے پہلے دیگر عقلی پہلوانوں نے بھی زور آزمائی فرمائی ہے لہذا انگلی کٹا کر شہیدوں میں نام لکھانے سے ہمارے پیر زادہ صاحب کیوں پیچھے رہ جائیں ؟ .

گلۂ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہل حرم سے ہے

کسی بت کدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری

مذکورہ بالا حدیث کے سلسلے میں اعتراض قدیم ہے اور تفصیل کے ساتھ علمائے حدیث نے اس کا جائزہ لیا ہے. اس سلسلے میں کچھ قابل ذکر شخصیتوں کے نام یہ ہیں .

۱- ابن حبان بستی رحمہ اللہ . انھوں نے اس حدیث پر باب باندھا ہے .

" ذكر خبر شنع به على منتحلي سنن المصطفى ﷺ من حرم التوفيق لإدراك معناه ".

اس خبر کا ذکر جسے بنیاد بنا کر ان لوگوں نے سنن مصطفیٰ ﷺ کے جاں نثاروں پر طعن و تشنیع کی ہے جو اس کے معنی کا ادراک حاصل کرنے کے سلسلے میں توفیق سے محروم رہے .

(دیکھئے الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ۸/ ۳۸ - ۴۰).

۲- امام بغوی رحمہ اللہ نے شرح السنۃ (۵/ ۲۶۶ - ۲۶۸) میں اس حدیث پر بحث کی ہے. اور آخر میں فرمایا : وقد ذكر هذا المعنى ابو سليمان الخطابى في كتابه ؛ ردا على من طعن في هذا الحديث وأمثاله من أهل البدع والملحدين ، أباد هم الله وكفى المسلمين شرهم .

ابو سلیمان خطابیؒ نے اپنی کتاب میں ان بدعتیوں اور ملحدوں کی تردید کرتے ہوئے یہی معنی ذکر فرمایا ہے جو اس حدیث اور اس جیسی دوسری حدیثوں کو نشانا بناتے ہیں، اللہ تعالی انھیں ملیامیٹ کرے اور مسلمانوں

کو ان کے شر سے بچائے.

۳- علامہ محمد اسماعیل سلفی گوجرانوالہ رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث پر بڑی اچھی بحث فرمائی ہے اور اس بحث کے خاتمے پر لکھتے ہیں : " انبیاء کی زندگی میں ایسے مراحل آتے ہیں جو عقل عام کی رسائی سے بالا ہوتے ہیں. جو شخص ان کو عقل عام کے پیمانوں سے ناپنا شروع کردے گا وہ ناکام ہوگا. اس کی تسکین اسی صورت میں ہوگی کہ وہ متعلقہ واقعہ کا انکار کرے اور عقل کے لئے تسکین کا بے حقیقت سامان پیدا کرے. انبیاء کے معجزات اور ملاء اعلی کے ساتھ ان کے تعلقات یہ عقل عام کا مسئلہ نہیں ہیں، یہاں خواص کی عقلیں بھی حیران رہ جاتی ہیں لہذا اگر طبیعت مطمئن ہو سکے تو شارع کے الفاظ میں ہی اسے قبول فرمایئے ورنہ جوجی میں آئے فیصلہ کیجئے، اسے اگر عقل کی سان پر چڑھایا گیا تو سان ٹوٹے گی یہ واقعات قائم رہیں گے. (پوری بحث کے لئے دیکھئے حجیت حدیث ص : ۲۵۷تا۲۸۰).

پیر زادہ کی عقل نازک پہ گراں بار چوتھی روایت

فرماتے ہیں : "بعض روایتیں تاریخی طور پر غلط ہیں. مثال کے طور پر بخاری کی یہ روایت کہ جنگ بدر کے موقع پر حضرت مقداد نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہم آپ سے وہ بات ہر گز نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسی سے کہی تھی.

فاذهب أنت وربك فقاتلا إنا ههنا قاعدون (المائدہ : ۲٤) "آپ اور آپ کا رب جائیں اور لڑیں ہم یہاں بیٹھے رہیں گے. (بخاری کتاب التفسیر).

جب کہ سورۂ مائدہ کا نزول ۶ھ صلح حدیبیہ کے بعد ہوا تھا اور جنگ بدر ۲ھ میں ہوئی تھی. پھر حضرت مقداد نے جنگ بدر کے موقع پر سورۂ مائدہ کی آیت کا حوالہ کیسے دیا جو اس وقت تک نازل ہی نہیں ہوئی تھی.

حقیقت یہ ہے کہ موصوف نے اس حدیث پر اعتراض کر کے اپنے آپ کو علمی اعتبار سے ننگا کر لیا ہے اور جو کچھ رہا سہا بھرم قائم تھا وہ بھی جاتا رہا ۔

کتابچے میں جنگ بدر کا وقوع ٦ھ لکھا ہے مگر ہم اسے کتابت کی غلطی تسلیم کرتے ہوئے نظر انداز کرتے ہیں اور اصل مبحث کی طرف آتے ہیں ۔

کیا پیر زادہ صاحب یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ سورۂ مائدہ بیک وقت نازل ہوئی اور پوری سورہ کا نزول صلح حدیبیہ ٦ھ کے بعد کسی معین وقت پر ہوا ہے، اور اس سورہ کی کوئی آیت اس سے پہلے یا اس کے بعد نازل نہیں ہوئی ہے ؟ اگر آپ یہ ثابت کر لے جائیں تو ہم تسلیم کر لیں گے کہ آپ حقیقتاً پانچوں سواروں میں ہیں. یاد رہے اٹکل سے نہیں موثوق دلائل کے ذریعہ.

کوئی بات کہنے سے پہلے سوچ لیا کیجئے اس سے آپ کی صحت پر اچھا اثر پڑے گا اور عواقب و نتائج کے اعتبار سے شاید اس قدر رسوائی کا سامنا بھی نہیں کرنا پڑے گا. ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہی ایک اعتراض ہے جو انھوں نے اپنے ذہن کی اپج سے کیا ہے اور اس میں کسی کے مقلد نہیں ہیں . واللہ اعلم بالصواب.

مگر اس میں بھی انھوں نے اپنے لئے کیسی فضیحت کا سامان کر لیا ہے اس کا اندازہ تو اہل علم کو خوب اچھی طرح ہو گیا ہو گا .

اگر موصوف نے تھوڑی سی زحمت گوارا فرما کر علوم القرآن پر کوئی بھی کتاب پڑھ لی ہوتی تو انھیں معلوم ہو جاتا کہ مفسرین کے یہ کہنے کا کہ فلاں سورہ مکی ہے یا مدنی یا فلاں وقت نازل ہوئی ہے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کی ہر آیت اسی ترتیب کے ساتھ جس طرح قرآن میں موجود ہے کسی معین وقت ایک ہی دفعہ میں نازل ہو گئی ہے. جبکہ یہ بات معروف ہے کہ مختلف آیتیں جو مختلف اوقات میں نازل ہوا کرتی تھیں انھیں بعد میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق مرتب کیا جاتا تھا اور انھیں کے حسب منشا ان آیتوں کو سورتوں کے ضمن میں درج کیا جاتا تھا. یہ چیز اہل علم کے یہاں معروف ہے.

حقیقت یہ ہے کہ صحیح بخاری کی حیثیت کو مجروح اور احادیث مبارکہ کے سب سے صحیح ذخیرے کو مشکوک ثابت کر دینے کے جوش اور دیرینہ خواہش کی تکمیل میں حضرت اس قدر آگے بڑھ گئے ہیں کہ نہ انھیں علمی اصولوں کی پرواہ ہے نہ ہی اخلاقی قدروں کی. حالانکہ اگر اس آیت کا صلح حدیبیہ کے بعد

نازل ہونا تسلیم کر لیا جائے تب بھی اس روایت کی صحت پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا، کیونکہ مدینے میں یہودی موجود تھے اور اسلام سے پہلے انصار کے ساتھ ان کے بہت گہرے تعلقات بھی تھے اور ان کے ذریعہ بنی اسرائیل کے قصے انصار کے یہاں بھی معروف تھے لہذا حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ اگر رسول اللہ ﷺ کو اپنی حمایت کا یقین دلانے کے لئے قوم موسیٰ علیہ السلام کی غداری کا حوالہ دے کر جو اہل مدینہ کے لئے معروف تھی اپنی نصرت و تائید کا اظہار فرماتے ہیں تو اس میں اشکال و تعجب کس بات کا ہے؟ للہ کچھ تو شرم کیجئے دن قیامت میں اللہ تعالیٰ کو کیا منہ دکھائیں گے. کیا اتنی واضح بات بھی آپ کی سمجھ میں نہیں آتی ؟ سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجاست .

انکار حدیث کے چور دروازے

پیرزادہ صاحب اپنے کتابچے ص : ۲۵ پر " حدیث جب قرآن وسنت کے خلاف ہو" کی سرخی کے تحت لکھتے ہیں : " جو حدیث قرآن وسنت سے کسی طرح مطابقت نہ رکھتی ہو بلکہ ان کے خلاف ہو اس کو ہرگز قبول نہیں کیا جاسکتا . حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مثال ہمارے سامنے ہے . انھوں نے فاطمہ بنت قیس کی جو صحابیہ ہیں اس حدیث کو قبول کرنے سے انکار کیا کہ جس مطلقہ کو تین طلاقیں دی گئی ہوں اس کے لئے نفقہ نہیں ہے. چنانچہ صحیح مسلم میں ہے !

قال عمر لا نترك كتاب الله وسنة نبينا لقول امرأة لا ندری لعلها حفظت أو نسيت ، لها السكنى والنفقة قال الله عز وجل لا تخرجوهن من بيوتهن ولا يخرجن إلا أن يأتين بفاحشة مبينة

(مسلم کتاب الطلاق)

حضرت عمر نے فرمایا :ایک عورت کے کہنے پر ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو نہیں چھوڑیں گے جب کہ ہم نہیں جانتے کہ اس عورت نے یاد رکھا یا بھول گئی؟ مطلقہ ثلاث کے لئے سکنی بھی ہے اور نفقہ بھی. اللہ عزوجل نے فرمایا ہے ان کو اپنے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، الا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوں.

تو کیا حضرت عمر حدیثیں قبول کرنے سے انکار کرتے تھے؟ نہیں بلکہ حدیث کے متن کو بھی دیکھتے تھے کہ وہ قرآن و سنت کے خلاف تو نہیں ہے ورنہ جہاں تک راوی کے ثقہ ہونے کا تعلق ہے حضرت فاطمہ بنت قیس تو صحابیہ تھیں. حضرت عمر نے انھیں جھٹلایا نہیں بلکہ فرمایا معلوم نہیں فاطمہ بنت قیس نے حدیث کو یاد رکھا یا ان سے بھول ہوئی. انتہی.

اس موقع کی مناسبت سے پھر چند اصولی باتیں آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں .

۱- محدثین کے یہاں یہ قاعدہ متفق علیہ ہے کہ کوئی صحیح حدیث نہ تو قرآن کے مخالف ہو سکتی ہے نہ ہی سنت صحیحہ کے. ہاں قواعد و ضوابط کی روشنی میں اگر کوئی حدیث ضعیف ہو تو الگ بات ہے.

۲- بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان اپنی فہم کی خطا سے کسی حدیث کو قرآن یا دوسری حدیث کے معارض سمجھ لیتا ہے حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے. اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ باوجود علم و فضل کے انسان کو کسی آیت یا حدیث کے سلسلے میں ایسا اشکال پیش آتا ہے کہ وہ اس کا حل تلاش کرنے سے قاصر رہ جاتا ہے. جبکہ اس کا حل دوسروں کے لئے بڑا ہی آسان ہوتا ہے. کچھ اسی طرح کی صورت حال اس حدیث کے سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی پیش آئی ہے جس کی تفصیل انشاءاللہ آگے آرہی ہے.

۳- قدیم اہل بدعت معتزلہ وغیرہ جب اپنے فلسفیانہ انحراف اور غیر مسلم فلاسفہ کے شکوک و شبہات سے مرعوب ہو کر کسی حدیث کا انکار کرنا چاہتے تو ان کی سب سے بڑی ڈھال یہی چیز ہوا کرتی تھی کہ یہ حدیث قرآن کے مخالف ہے یا دو حدیثیں آپس میں متعارض ہیں یہ ان کا بہت پرانہ ہتھیار ہے، اور جدید اہل بدعت بھی اپنے پیش رو اسلاف کی روش پر چلتے ہوئے یہی ہتھیار استعمال کرتے ہیں. کیونکہ اگر یہ صریح طور پر بلا کسی چیز کا سہارا لئے احادیث کا انکار کردیں تب تو ان کی حقیقت مسلمانوں پر بلا کسی تردد کے ظاہر اور واضح ہو جائے جو یہ حضرات نہیں چاہتے اور یہ چیز ان کی مصلحت کے خلاف ہے .

اب آیئے حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کی روایت پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے وارد کردہ اشکال کا جائزہ بھی لے لیا جائے جسے ڈھال بناکر پیر زادہ صاحب یہ چاہتے ہیں کہ انھیں اور ان جیسے دوسرے افراد کو اس بات کی کھلی چھوٹ دے دی جائے کہ یہ حضرات جس حدیث کے ساتھ جو سلوک کرنا چاہیں کرتے رہیں اور کوئی شخص ان پر نکیر نہ کرے ۔ جو حضرات اپنے مذموم مقاصد کی خاطر اس حدیث کو استعمال کرنا چاہتے ہیں ان کے اقوال سے اس اعتراض کا لب لباب دو چیزیں ظاہر ہوتی ہیں.

۱- اس حدیث کو روایت کرنے والی ایک عورت ہیں اور ان سے بھول ہو سکتی ہے.

۲- یہ حدیث قرآن و سنت کے مخالف ہے .

آپ تفصیلی جواب مجھ سے نہیں بلکہ اس امت کی ایک عظیم اور علم و فضل کی دنیا کی مشہور و معروف شخصیت ابن قیم رحمہ اللہ کی زبان میں ملاحظہ فرمائیں : فرماتے ہیں : پہلا اعتراض کہ راوی عورت ہے بلا شک باطل اعتراض ہے سارے علماء اس کے خلاف ہیں .... کتنی سنتیں ہیں جنھیں ائمہ نے صحابہ کی صرف ایک عورت سے قبول کیا ہے، یہ صحابیات کی مسانید لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں ان میں سے کسی بھی سنت میں اگر تم ان میں کی کسی عورت کو تنہا دیکھنا چاہو تو دیکھ سکتے ہو تو پھر دنیا کی ساری عورتوں کے سوا فاطمہ بنت قیس ہی کا کیا قصور ہے، حالانکہ لوگوں نے متوفی عنہا زوجہا (جس عورت کا شوہر مر گیا ہو) کے شوہر کے گھر میں عدت گزاری کے متعلق ابو سعید کی بہن فریعہ بنت مالک بن سنان کی حدیث کو تسلیم کر لیا ہے. جبکہ فاطمہؓ علم و جلالت قدر اور امانت و ثقاہت میں ان سے کمتر نہیں ہیں. بلکہ بلا شک ان سے بڑی فقیہہ ہیں. کیونکہ فریعہ صرف اسی حدیث سے معروف ہیں جبکہ فاطمہ کی شہرت اور اپنے مخالف صحابہ کو (مسئلہ زیر بحث میں) کتاب اللہ کی طرف دعوت دینا اور اس پر ان سے مناظرہ کرنا مشہور بات ہے. اور اس مناظرہ میں اپنے مخالفین کے مقابلے میں زیادہ کامیاب واقع ہوئی ہیں جیسا کہ اس کی تقریر گزر چکی. اور جب صحابہ کا کسی چیز میں اختلاف ہوتا تو کوئی ام

المومنین ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی کوئی روایت بیان کردیتی اس صورت میں وہ اسے تسلیم کر لیتے اور اسی کی طرف رجوع فرماتے. اور اپنی رائے ترک کردیا کرتے تھے . ان (امہات المومنین) کی فضیلت فاطمہ بنت قیس پر تو اس وجہ سے ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی بیویاں ہیں. ورنہ فاطمہ بنت قیس اولین مہاجرات میں سے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے انھیں اپنے محبوب اور محبوب کے بیٹے اسامہ بن زید کے لئے پسند فرمایا تھا اور انھیں پیغام بھی خود ہی دیا تھا. اگر آپ ان کے حافظے اور علم کی مقدار کا اندازہ لگانا چاہتے ہیں تو دجال کی اس لمبی حدیث کے ذریعہ لگا سکتے ہیں جسے رسول اللہ ﷺ نے ممبر پر بیان کیا تھا، حضرت فاطمہؓ نے اس حدیث کو سنا اور یاد رکھا اور اسی طرح ادا کیا جیسا کہ سنا تھا اور حدیث کی طوالت اور غرابت کے باوجود کسی نے اس کا انکار نہیں کیا. تو پھر اس واقعے کو کیونکر (بھول سکتی ہیں) جو انھیں کے ساتھ پیش آیا اور وہی اس کا سبب ہیں اور انھوں نے ہی اس کے بارے میں دعوی دائر کیا اور اس معاملے کے سلسلے میں صرف دو لفظوں میں فیصلہ دیا گیا " کوئی خرچ نہیں کوئی رہائش نہیں " اور عادتا ایسی چیزوں کا یاد رکھنا ضروری قرار پاتا ہے. اور رہا بھولنے کا احتمال تو یہ ان کے اور جس نے ان پر نکیر کی ہے دونوں کے درمیان مشترک امر ہے. یہ دیکھئے عمرؓ ہیں جو جنبی کے تیمم کے متعلق بھول گئے تھے اور حضرت عمار بن یاسرؓ نے انھیں یاد دلایا کہ ہم دونوں کو رسول اللہ ﷺ نے جنابت کی وجہ سے تیمم کرنے کا حکم دیا تھا اس کے باوجود حضرت عمرؓ کو یاد نہیں آیا اور اسی بات پر جمے رہے کہ جنبی جب تک پانی نہیں پائے گا نماز ہی نہیں پڑھے گا.

اور اللہ تعالی کا یہ قول بھی بھول گئے کہ ﴿ إن أردتم استبدال زوج مكان زوج و آتيتم إحداهن قنطارا فلا تأخذوا منه شيئا ﴾ [النساء : ۲۰] .

اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا ہی چاہو اور ان میں سے کسی کو تم نے خزانہ کا خزانہ دے رکھا ہو تو بھی اس میں سے کچھ نہ لو .

یہاں تک کہ ایک عورت نے انھیں یہ آیت یاد دلائی تب انھوں نے اسی کے قول کی طرف رجوع فرمایا.

(اسی طرح) اللہ تعالی کا یہ قول (بھی) بھول گئے : ﴿ إنك ميت وإنهم ميتون ﴾ [الزمر: ۳۰].

یہاں تک کہ انھیں یاد دلایا گیا. لہذا اگر راوی کے بھول جانے کا جواز اس کی روایت کے سقوط کو واجب کرنے والا ہوتا، تو اس کی بنیاد پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وہی روایت باطل قرار پاتی جس کے ذریعہ تم نے فاطمہ کی خبر کی مخالفت کی ہے. اور اگر اس بنیاد پر ان کی روایت کو ساقط نہیں قرار دیا جاسکتا تو اس کے ذریعہ مخالفت باطل ہو جاتی ہے. چنانچہ یہ دونوں تقدیر پر باطل ہے. اور اگر سنتوں کو انھیں جیسی چیزوں کے ذریعہ رد کیا جانے لگے تو امت کے ہاتھوں میں سوائے تھوڑی سی حدیثوں کے کچھ باقی نہیں بچے گا .... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہاں وہی چیز پیش آئی ہے جو ابو موسیٰؓ کی استئذان والی حدیث کے رد کر دینے کے سلسلے میں پیش آئی تھی یہاں تک کہ ابو سعیدؓ نے ان کے لئے گواہی دی اور حضرت مغیرۃؓ بن شعبہ کی عورت کا حمل ساقط کر دینے والی حدیث کے سلسلے میں پیش آئی تھی یہاں تک کہ محمد بن مسلمہ نے ان کے لئے گواہی دی . یہ چیز ان کی طرف سے تحقیق و تثبیت کے طور پر تھی تاکہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرنے کے سلسلے میں اول جلول نہ پیش کرنے لگیں. ورنہ انھوں نے تنہا ضحاک بن سفیان کلابی کی روایت قبول کی ہے جبکہ وہ اعرابی تھے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہت سی ایسی چیزیں قبول کی ہیں جن کے بیان کرنے میں وہی تنہا ہیں. حاصل کلام یہ ہے کہ کوئی شخص یہ نہیں کہتا کہ ثقہ، عادل راوی کا قول اس وقت تک قبول نہیں کیا جائے گا جب تک دو گواہ اس کی گواہی نہ دے دیں خاص کر جب کہ وہ (راوی) صحابہ میں سے ہو.

رہا دوسرا اعتراض یعنی ان کی روایت قرآن کے مخالف ہے، تو ہم اس کا دو جواب دیتے ہیں، مجمل اور مفصل، مجمل یہ ہے: تمہارے بیان کے مطابق اگر روایت مخالف ہوتی تو قرآن کے عموم کی مخالف ہوتی، ایسی صورت میں یہ عام کی تخصیص کرنے والی ہوتی چنانچہ اس کا حکم وہی ہوتا جو کافر، غلام، اور قاتل کے ساتھ اس آیت ﴿یوصیکم اللہ في أولادکم﴾ [النساء] کی تخصیص کا ہے. اور بیوی اور اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ کو جمع کرنے کی تحریم کی ساتھ اس آیت ﴿وأحل لکم ماوراء ذلکم﴾ [النساء: ۲۴] کی تخصیص کا ہے. کیونکہ قرآن نے نہ نکلنے اور نہ نکالے جانے کے ساتھ بائن کی تخصیص نہیں فرمائی ہے اور نہ اس چیز کے ساتھ تخصیص فرمائی ہے کہ وہ وہیں رہے جہاں اس کا شوہر رہتا ہے. بلکہ یہ آیت تو بائن اور رجعیہ دونوں کے متعلق عام ہوگی یا رجعیہ کے ساتھ خاص ہوگی.

چنانچہ آیت اگر دونوں قسموں کے لئے عام ہے تو یہ حدیث اس عموم کی تخصص ہے اور اگر رجعیات کے ساتھ خاص ہے تب تو کتاب اللہ کے مخالف ہو گی ہی نہیں، (اور اس کا خاص ہونا) ہی اس سیاق کی وجہ سے صحیح ہے جس پر غور و تامل کرنے والا ہر شخص یہی فیصلہ کرے گا کہ یہ مختلف وجوہ سے رجعیات کے لئے خاص ہے جیسا کہ ہم نے اس کی جانب اشارہ کیا ہے. لہذا حدیث کتاب اللہ کے مخالف نہیں ہے بلکہ اس کے موافق ہے اور اگر امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی توجہ اس کی جانب مبذول کرائی گئی ہوتی تو وہ اس کی طرف سب سے پہلے رجوع فرمانے والے ہوتے. کیونکہ جس طرح انسان کو نص کے سلسلے میں ذہول ہوتا ہے اسی طرح اس کی دلالت اور سیاق اور اس کے ساتھ لگی ہوئی باتوں کے سلسلے میں بھی ذہول واقع ہو جاتا ہے جن کے ذریعہ مراد ظاہر ہوتی ہے اور بہت ایسا ہے ہوتا ہے کہ انسان کسی معین واقعے کے نص عام کے تحت داخل اور مندرج ہونے کے سلسلے میں غافل ہو جاتا ہے. یہ چیز بہت پیش آتی ہے. اور اس سے آگاہ ہو جانا اس فہم کے سبب ہوتا ہے جو اللہ تعالی اپنے بندوں میں سے جنھیں چاہتا ہے عطا فرماتا ہے. اور امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کا اس سلسلے میں جو مقام ہے وہ پوشیدہ نہیں ہے، اور لفظوں میں اسے بیان نہیں کیا جا سکتا، مگر نسیان اور ذہول انسان کے ساتھ لگے ہوئے ہیں اور عالم فاضل تو وہی ہے جسے توجہ دلائی جائے تو سمجھ جائے اور اس کی طرف رجوع ہو.........".

(زادالمعاد ۵/ ۵۳۴ تا ۵۳۷).

ابن قیم رحمہ اللہ کا بیان اس کے بعد بھی بہت طویل ہے مگر ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں. ان کی عبارت سے مندرجہ ذیل حقائق سامنے آتے ہیں.

۱- راوی حدیث کا عورت ہونا یا اس کا روایت میں تنہا ہونا کسی روایت کی صحت پر قطعی اثر انداز نہیں ہوتا.

۲- بھول اور نسیان انسان کا خاصہ ہے مگر اس احتمال کی بنا پر کسی کی روایت کو ساقط نہیں کیا جا سکتا. اور یہ دلیل انتہائی کمزور ہے کہ فلاں عورت ہے اور پتہ نہیں اسے یاد رہا یا بھول گئی لہذا ہم اس کی روایت

کو تسلیم نہیں کر سکتے حالانکہ نسیان کا احتمال مرد اور عورت دونوں کے درمیان امر مشترک ہے اور جیسا کے بیان آچکا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ علم و فضل اور فقاہت کے بلند درجہ پر فائز ہونے کے باوجود کئی چیزیں بھول گئے تھے. تو کیا اس احتمال کی بنا پر کوئی شخص ان کی روایات کو ساقط کرنے کی جرأت کر سکتا ہے ؟

۳- یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ ثقہ راوی کے بیان کے بعد جبکہ وہ صحابی بھی ہو حضرت عمر اس کے متن کو بھی دیکھتے تھے. بلکہ حضرت فاطمہ کے ساتھ ان کا رویہ بالکل وہی ہے جو ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا. انھوں نے ان حضرات کی روایت کو رد نہیں کیا بلکہ انھیں تثبت اور احتیاط کا سبق دینا مقصود تھا .

۴- حضرت فاطمہ کا بیان قرآن و سنت کے خلاف نہیں بلکہ موافق ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے مشتملات پر غور و تدبر کرنے کی فرصت نہیں میسر آسکی اس لئے ان کی نظروں سے وہ نقطہ اوجھل رہا جو دوسروں کے سامنے تھا. اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی جانب متوجہ کیا جاتا تو وہ بھی سمجھ جاتے اور فوراً مان لیتے. اور اس مسئلے میں حقیقت کا ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جانا کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے.

ایک اشکال انھیں نبی ﷺ کے زمانے میں بھی پیش آیا تھا اور بعد میں جب اللہ تعالی نے انھیں سمجھایا تو مان گئے کہ یہ تو سامنے کی بات تھی. حضرت سہل بن حنیف کی حدیث ہے : ابو وائل سے مروی ہے کہ ہم صفین کے مقام پر تھے کہ سہل بن حنیف ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا : اے لوگو ! (تحکیم کے بارے میں اپنی رائے کے سلسلے میں) اپنے آپ کو متہم گردانو کیوں کہ ہم حدیبیہ کے دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور اگر ہم قتال کا فیصلہ کرتے تو قتال کر سکتے تھے، عمرؓ بن خطاب آئے اور انھوں نے عرض کیا : اے اللہ کے رسول ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں اور وہ لوگ باطل پر ؟ آپ نے فرمایا : " ہاں " عمرؓ نے کہا : کیا ہمارے مقتولین جنت میں اور ان کے مقتولین جہنم میں نہیں ہیں ؟

فرمایا : " ہاں " عمرؓ نے کہا : پھر ہم اپنے دین میں پستی کیوں قبول کریں ؟ کیا ہم واپس چلے جائیں اور ابھی اللہ تعالیٰ نے ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ نہیں کیا ؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا : خطاب کے بیٹے ! میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا. پھر حضرت عمر ابو بکرؓ کے پاس گئے، اور ان سے بھی اسی طرح کی بات کہی جس طرح نبی ﷺ سے کہی تھی، انھوں نے فرمایا : یقیناً وہ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ انھیں کبھی بھی ضائع نہیں کرے گا. اس موقع پر سورۂ فتح نازل ہوئی، اور رسول اللہ ﷺ نے اسے عمرؓ کے سامنے آخر تک تلاوت فرمایا. اس پر عمر نے کہا : اے اللہ کے رسول ! کیا یہ فتح ہے ؟ فرمایا : " ہاں " . (متفق علیہ - اللؤلؤ والمرجان ۲/۵۳۶) .

دیکھا آپ نے جسے وہ پستی سمجھ رہے تھے وہ درحقیقت فتح تھی اور جس حقیقت کو وہ نہیں سمجھ سکے تھے اسے ابو بکر رضی اللہ عنہ سمجھ چکے تھے. ایسا ہوتا ہے. لہذا صحیح حدیث کو کسی بھی اشکال کی بنا پر رد نہیں کیا جا سکتا.

اس کے بعد پیر زادہ صاحب نے حضرت عبداللہ بن عمر کی ایک حدیث پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایک اشکال کو بنیاد بنا کر لکھا ہے : " دیکھئے حضرت عائشہ نے کس طرح عبداللہ بن عمر کی ایک حدیث پر گرفت کی حالانکہ حضرت عبداللہ بن عمر بھی صحابی ہیں پھر حضرت عائشہ نے نہ صرف یہ کہ صحیح واقعہ پیش کیا بلکہ قرآن کی آیت سے بھی اس بات پر استدلال کیا کہ مردے سنتے نہیں ہیں. اور جب صحابہ کرام ایک دوسرے کی روایت کردہ حدیثوں کو قبول کرنے میں احتیاط برتتے تھے اور ان کے قبول اور عدم قبول کا فیصلہ قرآن کی کسوٹی پر رکھ کر کرتے تھے تو بعد والوں کو یہ کہاں سے چھٹی مل گئی کہ حدیث کے متن کو دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے اسناد کا صحیح ہونا کافی ہے ؟ (ص : ۲۶) .

اس کے جواب میں میں بھی حضرت عائشہ کا ایک واقعہ پیش کرتا ہوں :
ایک مرتبہ نبی ﷺ نے فرمایا : من نوقش الحساب عذب. جس کا حساب کتاب لے لیا گیا وہ عذاب

میں گرفتار ہوگا. حضرت عائشہؓ نے فوراعرض کیا : اللہ تعالی تو فرماتا ہے ﴿ فسوف یحاسب حسابا یسیرا ﴾ یعنی جنتی لوگوں کا حساب کتاب آسان ہوگا، (بخاری)

اب پیرزادہ صاحب کی طرح کا کوئی البیلا محقق آئے اور یہ نادر تحقیق پیش فرمائے کہ دیکھئے ! حضرت عائشہؓ نے کس طرح رسول اللہ ﷺ کی گرفت فرمائی حالانکہ وہ اللہ کے رسول تھے پھر حضرت عائشہؓ نے نہ صرف یہ کہ آپ کی یوں ہی گرفت کی بلکہ قرآن کی ایک آیت سے بھی اس پر استدلال کیا کہ جنتیوں کا حساب کتاب تو آسان ہوگا اور جب صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ کی پیش کردہ حدیثوں کو بھی قبول کرنے میں احتیاط برتتے تھے اور ان کے قبول اور عدم قبول کا فیصلہ قرآن کی کسوٹی پر پرکھ کر کرتے تھے تو بعد کے لوگوں کو یہ کہاں سے چھٹی مل گئی کہ حدیث کے متن کو دیکھنے کی ضرورت نہیں محض رسول اللہ ﷺ کا بیان کردینا کافی ہے ؟

اب بتائیے کہ آپ جیسا کوئی الٹراماڈرن قسم کا محقق جس کے اندر اپنے کباڑ خانہ ذہن کی تمام تر بے اعتدالیوں کو اگل دینے کا شوق موجزن ہو اور وہ ایسی لاجواب تحقیق پیش فرمائے تو ہندوستان جیسی مہان دھرتی کے مہاپرس کا ہم کیا بگاڑ سکتے ہیں ؟ ہے کوئی جواب اس کا ؟

یہ تو رہی ان کی بات مگر ہم اپنے قارئین کرام کو یہ بات ضرور بتادینا چاہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ عادت تھی کہ جس مسئلے میں بھی انھیں کوئی اشکال نظر آتا اور اس کے حل کرنے میں انھیں دشواری محسوس ہوتی تو اسے مسئلہ پیش کرنے والے کے سامنے رکھ دیا کرتی تھیں تاکہ وہ ان کا یہ اشکال اگر ہوسکے تو دور کردے لہذا اپنی اسی عادت کی بنا پر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے بھی اس طرح کی مشکل پیش فرمائی تاکہ آپ ان کی تشفی فرمادیں. لہذا رسول اللہ ﷺ نے یہ کہہ کر ان کی مشکل دور فرمادی کہ آیت میں جس حساب کا ذکر ہے وہ محض سرسری پیشی کی بات ہے لیکن جس کی چھان بین کرلی گئی تو اس پر عذاب لازمی ہے .

لہذا حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث کے سلسلے میں بھی انھوں نے اپنی عادت کے مطابق اپنی یہی مشکل پیش فرمائی نہ یہ کہ آیت کے خلاف ہونے کی وجہ سے ان کی حدیث کو رد کردیا تھا. اور اگر اس اشکال کا

حل ان کے سامنے پیش کر دیا گیا ہوتا تو ضرور مان جاتیں.

پیر زادہ صاحب کے کتابچے کے متعلق یہ چند گزارشات تھیں جو میں نے آپ کی خدمت میں اس نیت سے پیش کی ہیں کہ آپ ان خزعبلات اور ہفوات سے آگاہ ہو جائیں اور اس طرح کے لوگوں کی چکنی چپڑی باتوں اور لفظوں کی جادوگری کے جھانسے میں نہ آئیں اور اپنے پیارے نبی فداہ نفسی وابی وامی ﷺ کی احادیث مبارکہ کے سلسلے میں کوئی غلط اور باطل رویہ اپنانے سے محفوظ رہیں. نیز ان کے ذریعہ پیر زادہ صاحب اور ان جیسے دیگر محققین کی علمی وسعت کا اندازہ لگالیں. اور اگر اس کتاب سے آپ کو کوئی فائدہ حاصل ہو سکے تو مجھے اور میرے والدین اور میرے تمام اساتذہ اور احباب کو اپنی دعاء خیر میں یاد رکھیں .

جو کچھ میں نے سپرد قرطاس کیا ہے اگر ان میں مجھے حق اور صحیح باتیں بیان کرنے کی توفیق ملی ہے تو وہ محض اللہ تعالی کا فضل ہے اور اگر مجھ سے کوئی غلطی یا خطا ہوئی ہے تو اس کے لئے اللہ تعالی سے عفو و در گزر کی التجا اور بھائیوں سے اصلاح کی گزارش ہے. إن أردت إلا الإصلاح وما توفيقي إلا بالله .

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين